ہندوؤں کی علمی و تعلیمی ترقی

میں

مسلمان حکمرانوں کی کوششیں

علامہ سید سلیمان ندوی

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (یوپی)

انڈیا۔ ۲۷۶۰۰۱

ہندوؤں کی علمی و تعلیمی ترقی
میں
مسلمان حکمرانوں کی کوششیں

سید سلیمان ندویؒ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (الہند)

نام کتاب : ہندوؤں کی علمی و تعلیمی ترقی میں مسلمان حکمرانوں کی کوششیں

مصنف : مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات : ۸۶

ایڈیشن : ۲۰۱۰ء

ناشر : دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڈھ (یو۔پی)

مطبع : معارف پریس شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ (یو۔پی)

قیمت : ۳۵؍روپے

باہتمام : عبدالمنان ہلالی

Darul Musannefin Shibli Academy
P.O. Box No. 19, Azamgarh
e-mail: shibli_academy@rediffmail.com
website: www.shibliacademy.org



حرفِ آغاز

ہندوستان کے متعصب مؤرخین مسلمان حکمرانوں بالخصوص اورنگزیب پر تعصب، ہندو کشی اور مقامی باشندوں کو بالجبر مسلمان بنانے کا الزام لگاتے تھے۔ انگریز مؤرخین نے اپنے مقاصد کے پیش نظر اس مفروضہ کو مزید ہوا دی اور مسلمان حکمرانوں کے خلاف ایک عام فضا قائم کر دی، اس سے ہمارے متعصب مؤرخین کو مسلمانوں کے خلاف محاذ قائم کرنے اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں منافرت پھیلانے کے مواقع ہاتھ آئے، اس سے سب سے بڑا نقصان ہندوستان اور ہندوستان کے عام باشندوں کا ہوا۔ فائدہ مجموعی طور پر انگریزوں کا ہوا۔ آج ہمارے کشادہ ذہن اور منصف مزاج ہندو مؤرخین بھی اس الزام کو غلط اور بے بنیاد مانتے ہیں۔ دراصل مسلمانوں کے خلاف ہندو کشی اور ہندو دشمنی کا الزام اتنا ہی غلط، بے بنیاد اور بعید از حقیقت ہے جتنا یہ کہنا کہ سورج ظلمت پھیلانے والا اور کرہ ارض کو تاریکی میں ڈبونے والا ستارہ ہے۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ مسلمان حکمرانوں نے جتنی فراخ دلی، رواداری، بے تعصبی اور کشادہ ذہنی کا ثبوت پیش کیا اس کی نظیر ہندوستان کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ تنگ ذہنی اور ہندو کشی کے سلسلہ میں سب سے زیادہ تنقید کا نشانہ اورنگ زیب کو بنایا گیا، علامہ شبلی نے سب سے پہلے اس

طرف توجہ کی اور اس سلسلہ میں ایک طویل مضمون ''اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر'' سپرد قلم کر کے مضبوط دلائل اور تاریخی شواہد کی روشنی میں ان تمام الزمات کو غلط ثابت کیا اور اس کی صحیح تصویر عوام کے سامنے پیش کی، یہ شبلی کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔

دوسرا عظیم کارنامہ علامہ شبلی کے عزیز ترین شاگرد اور ان کی علمی وادبی روایات کے امین سید سلیمان ندوی نے انجام دیا۔ ان کا یہ کارنامہ ان کا وہ طویل مضمون ہے جو انھوں نے ''ہندوؤں کی علمی و تعلیمی ترقی میں مسلمانوں کی کوششیں'' کے عنوان سے ضبط تحریر کیا جو پہلے ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ میں مئی سے دسمبر ۱۹۱۸ء میں قسط وار شائع ہوا اور بعد میں کتابی شکل میں منظر عام پر آیا۔ یہ اصلاً مضمون کی ترقی یافتہ شکل ہے جو سید صاحب نے ''ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں'' کے زیر عنوان سر سید کی قایم کردہ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں ۲۹ر دسمبر ۱۹۱۷ء کو بمقام کلکتہ پیش کیا تھا۔ اس میں انہوں نے مضبوط دلائل اور تاریخی شواہد کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ:

> '' مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندو قوم، وہ قوم تھی جو ہر قوم سے اس قدر شدید نفرت رکھتی تھی کہ اس کے سایہ تک سے گریز کرتی تھی اور اس کو ملچھ، ناپاک اور نجس ہستی تصور کرتی تھی۔ کیا اس وقت میں کوئی یہ خیال کر سکتا تھا کہ کسی زمانہ میں ہندو قوم بھی اس قدر روادار اور وسیع الخیال ہو جائے گی کہ دوسری قوم کے ساتھ مل جل کر کام کرے گی اور اس کے ساتھ شاگردی واستادی کا رشتہ قایم کرے گی۔ لیکن سو، دو سو برس ہی کے اندر ان کے خیالات میں بڑا تغیر آ گیا اور اب وہ مسلمان سلاطین کی نوکریاں کرنے لگے اور درباروں میں مسلمان ارباب کمال کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے لگے، یہی ابتدائی بے تعصبی ہندوؤں کی موجودہ تعلیمی ترقی کا راز ہے''۔

اس کے بعد مولانا نے اس بات کا بھی انکشاف کیا ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے مقامی باشندوں کو تعلیم حاصل کرنے کی نہ صرف اجازت دی، بلکہ سرکاری طور پر اس کا انتظام بھی کیا

۔اور اس سے بڑھ کر ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ شاہزادوں کے ساتھ بیٹھ کر مقامی باشندوں کے بچوں کو بھی تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کیے گئے۔ اس میں مذہب یا ذات پات کی کوئی تفریق نہیں تھی۔ اس بے تعصبی اور کشادہ ذہنی کا یہ مثبت نتیجہ نکلا کہ ہندوستان میں علم کا فروغ ہوا اور وہ تعلیم کے معاملہ میں دوسرے ترقی یافتہ ممالک کی صف میں جگہ پانے کے قابل ہوگیا۔ آج ہم اپنے ملک میں علم و ہنر کی جتنی ترقی دیکھ رہے ہیں اس کا تمام تر سہرا مسلمانوں کے سر ہے۔

پورا مضمون انتہائی مفید معلومات افزا ہے، اس کی معنویت اور افادیت آج بھی مسلم ہے اور موجودہ حالات کے پیش نظر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مستقبل میں بھی اس کی اہمیت اسی طرح برقرار رہے گی۔ اس لیے استفادۂ عام کے پیشِ نظر خدا بخش لائبریری اس کی از سر نو اشاعت کر رہی ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ قارئین کرام اس سے حتی المقدور مستفیض ہوں گے۔ لائبریری جلد ہی انشاء اللہ اس کا انگریزی اور ہندی ترجمہ بھی شائع کرے گی۔

محمد ضیاء الدین انصاری
ڈائرکٹر

(۱)

مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندو قوم وہ قوم تھی جو ہر غیر قوم سے اس قدر شدید نفرت رکھتی تھی کہ اس کے سایہ تک سے گریز کرتی تھی اور اس کو ملچھ، ناپاک اور نجس ہستی تصور کرتی تھی، کیا اس وقت میں کوئی یہ خیال کرسکتا تھی کہ کسی زمانہ میں ہندو قوم بھی اس قدر روادار اور وسیع الخیال ہو جائے گی کہ وہ دوسری قوم کے ساتھ مل جل کر کام کرے گی اور اس کے ساتھ شاگردی اور استادی کا رشتہ قائم کرے گی۔ لیکن سو دو سو برس ہی کے اندر ان خیالات میں بڑا تغیر آ گیا اور اب وہ مسلمان سلاطین کی نوکریاں کرنے لگے اور درباروں میں مسلمان ارباب کمال کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے لگے، یہی ابتدائی بے تعصبی ہندوؤں کی موجودہ تعلیمی ترقی کا زینہ ہے۔

اگر مسلمانوں کا درمیانی دور جس نے سو دو سو برس کے اندر اندر ہندوؤں کو اپنی قدیم تنگ خیالی کے بدلنے پر مجبور کیا اور دوسری قوموں کے علوم وفنون سیکھنے کی ان میں ترغیب پیدا کی، ہندوستان میں قائم نہ ہوا ہوتا تو کیا یہ ممکن تھا کہ انگریزوں کی حکومت کے اول یوم سے وہ انگریزی تعلیم کا آغاز کر دیتے اور ساٹھ ستر برس کے اندر اندر تمام ہندوستان میں ایک غیر قومی زبان کی تحصیل کے لئے مدارس، مکاتیب، پاٹ شالے اور کالج کھل جاتے، گوہر مقصود کی تلاش میں سمندروں میں بے محابہ با سفر کرتے، ان کو سو دو سو برس تو صرف اپنی نفرت قومی اور تعصب مذہبی کے مٹانے میں صرف ہوتے اور اس اثنا میں مسلمان کہیں سے کہیں جا نکلتے۔

ہندوؤں پر مسلمانوں کا دوسرا سب سے بڑا تعلیمی احسان یہ ہے کہ مسلمانوں سے پہلے

ہندوؤں کی تعلیمی ترقی

ہندو دھرم کے مطابق تعلیم، ہندوؤں کے ایک مخصوص طبقہ تک محدود تھی، حکم تھا کہ وید کا کوئی فقرہ اگر کسی شودر کے کان میں پڑ جائے تو اس میں سیسہ پلا دیا جائے، برہمنوں کے علاوہ ہندوؤں کے دیگر طبقوں میں یا علم مطلق نہ تھا، یا بہت ہی کم تھا، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ مذہباً ان کو تعلیم کے حاصل کرنے کی مطلقاً اجازت نہ تھی لیکن مسلمانوں نے ہندوستان آکر تعلیم کو ہندوؤں کے ہر طبقہ تک عام کر دیا۔ برہمنوں سے لے کر کھتری، کائستھ، بنیے اور ان سے بھی نیچے درجوں تک علم اتر آیا، آج ہندوستان میں برہمنوں سے زیادہ نہیں تو برہمنوں کے برابر غیر برہمن ہندو بھی تعلیم سے بہرہ اندوز ہیں اور مسلمانوں کے عہد حکومت میں بھی یہی حال تھا کہ برہمنوں سے زیادہ کائستھ اور کھتری تعلیم یافتہ تھے۔

ہندوؤں پر مسلمانوں کا تیسرا سب سے بڑا تعلیمی احسان یہ ہے کہ ان میں تعلیمی علوم وفنون میں وسعت پیدا کیا، قدیم ہندوستان کے شیشہ وقار کو صدمہ پہنچائے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں سے پہلے ہندوستان میں جن علوم کی تعلیم رائج تھی، ان کی فہرست نہایت مختصر تھی، نصاب تاریخ سے یہاں کے مدارس ہمیشہ خالی رہے، جغرافیہ کا وجود یہاں برائے نام تھا، فلسفہ، حکمت، اقلیدس، ہیئت، طب، شاعری، موسیقی وغیرہ علوم ہندوستان میں پہلے سے موجود تھے لیکن ان کی تعلیم اولاً تو مخصوص لوگوں کو ہوتی تھی، دوسرے یہ کہ ان علوم کے متعلق دنیا کی دوسری قوموں کی جو تحقیقات تھی، اس سے یہاں سرتاپا ناواقفیت تھی، مسلمان علما نے ان کے نصاب تعلیم کو ان فرسودہ اشغلوں سے پاک کیا۔

مسلمانوں میں ہندوستان کا سب سے پہلا علمی فاتح بیرونی ہے، وہ سلطان محمود کے زمانہ میں ہندوستان آیا، یہ مسلمانوں کی ہندوستان کی عمل داری کا آغاز باب تھا اور ضرورت تھی کہ ہندوؤں نے خلافت بغداد کو دوسری صدی ہجری میں جو علمی قرض دیا تھا وہ مع سود کے واپس کر دیا جائے، بیرونی کتاب الہند کے پہلے باب میں لکھتا ہے:

"اجنبی ہونے کے سبب مجھ کو ہندو علمائے ہیئت کی پہلے شاگردی

اختیار کرنی پڑی، لیکن تھوڑی ہی مدت کے بعد جب میری زبان دانی کی واقفیت بڑھ گئی تو میری حیثیت استاد کی ہوگئی، چونکہ ہیئت اور ریاضیات میں مجھ کو کامل مہارت حاصل تھی میں خود ان کو تعلیم دینے لگا، پنڈتوں کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی، تعجب سے پوچھتے تھے کہ تم نے یہ باتیں کس پنڈت سے سیکھی ہیں، ان کو یقین نہیں آتا تھا کہ کسی دوسری قوم کا آدمی بھی علوم وفنون میں ان کا ہمسر ہوسکتا ہے، وہ مجھ کو جادوگر سمجھتے تھے اور ''بحر العلوم'' کہتے تھے۔''

ہندو پنڈتوں کی واقفیت کے لئے، اس نے عربی زبان سے حسب ذیل کتابیں سنسکرت میں ترجمہ کیں۔ ا۔ رسالۂ اصطرلاب، ۲۔ مجسطی، ۳۔ اقلیدس کے مقالے، علاوہ ازیں ہندو پنڈتوں کے سوالات کے جواب میں بھی اس نے کئی رسالے لکھے، ہندو ہیئت دانوں نے ہیئت کے متعلق سوالات کیے تھے، ۱۲۰ صفحوں میں اس نے ان کے جوابات لکھے، ایک رسالہ اس کا اس بحث پر ہے کہ اعداد کے مدارج جو عربی زبان میں ہیں وہ باعتبار ہندی کے زیادہ صحیح طریقہ پر مقرر ہیں۔ (۱)

مسلمانوں کے فتوحات نے ہندوستان میں جب وسعت حاصل کی تو ہندو پنڈتوں کو ان کے اندرونی حالات کے دریافت کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ بھوجر برہمن نام بنارس کا ایک باشندہ قاضی رکن الدین کی خدمت میں پہنچا اور ان سے مسلمانوں کے علوم کی تکمیل کی، قاضی صاحب نے بھوجر سے سنسکرت سیکھی اور اس کی مدد سے انبرت کنڈ (حوض آب حیات) نام کی ایک کتاب کا سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کیا۔ (۲)

زید العابدین جو ۸۲۶ھ میں تخت کشمیر پر جلوہ آرا ہوا تھا اور جس کے آثار سلطنت پر شہنشاہ اکبر نے اپنی حکومت کی بنیادیں کھڑی کی تھیں، اس نے ہندوؤں کے لئے بہت سی عربی اور فارسی کتابوں کے ترجمے ہندی میں کرائے، فرشتہ کی عبارت یہ ہے:

وفرمود تا اکثرے از کتب عربی وفارسی بزبان ہندی ترجمہ کروند (۳)

سری بھٹ نام ایک بید کو طبابت کی تعلیم دلا کر اپنے دربار میں یہاں تک ممتاز کیا کہ وہ سیاسی معاملات میں بھی دخیل ہو گیا، فرشتہ لکھتا ہے:

وسلطان بجہت طبابت سری بھٹ را کہ طبیبے حاذق بود تربیت کرد

(صفحہ ۳۴۲)

ہندوؤں کو مسلمانوں سے جو نفرت قلبی تھی اس کا اثر یہ تھا کہ کوئی ہندو مسلمان بادشاہوں کے دربار میں نوکری تک قبول نہیں کرتا تھا، رسوم وعادات کی یہ بندشیں سب سے پہلے دکن میں ٹوٹیں، مسلمان سلاطین نے ہندو فاضلوں کی قدر افزائی شروع کی اور اس بہانہ سے وہ رفتہ رفتہ مسلمانوں سے مانوس ہونے لگے۔

شہزادہ محمد تغلق کے دربار میں گنگو نام کا ایک برہمن خدمت منجمی پر ممتاز تھا، حسن بہمنی جو دکن میں بہمنی حکومت کا بانی ہوا ہے وہ اس منجم کا نہایت ممنون احسان تھا اس تقریب سے دکن کے برہمنوں کو بہمنی حکومت کے ساتھ موانست پیدا ہوئی اور بالآخر تمام دفاتر سرکاری کے وہ مالک بن بیٹھے، فرشتہ میں ہے:

مشہور ہست کہ پیش ازیں برہمنان، پیرامون عہد وعمل شہریاران اسلام نمی گردیدند ودر قرایا وزوایا وسواحل انہار، بکسب انواع علوم خصوص علم نجوم اشتغال داشتہ، متوکلانہ زندگی می کردند ملازمت اہل دنیا خصوص مسلمانان رامزیل حسنات دانستہ وشقاوت ابدی تصور کردہ پیرامون عہد وعمل نمی گردیدند اگر احیاناً بعضے از ایشان بوسیلۂ طبابت ونجوم ووعظ، وقصہ خوانی درصحبت ارباب جاہ می بودند بانعام واحسان ایشان مخصوص گشتہ، قلادۂ نوکری درگردن نمی انداختند، اول کسیکہ از فرقہ براہمہ در دور سلاطین اسلام نوکری کرد گانگو پنڈت بود وتا حال کہ ۱۰۱۰ھ است بخلاف سائر ممالک ہند خصوصا دفتر بادشاہان دکن ونویسندگی ولایت ایشان نہ بہامنہ (برہمن) مرجوع است (جلد ا، صفحہ ۲۷۸)

شاہی دفتر کی زبان عموی فارسی تھی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اہل کار فارسی زبان اب سیکھنے لگے تھے، ابراہیم عادل شاہ جو ۹۴۲ھ میں دکن کی عادل شاہی خاندان کا فرمانروا ہوا تھا اس نے فارسی زبان بھی دفتر سے برطرف کر دی۔

> دفتر فارسی برطرف کردہ ہندوی کرد و بہامنہ (برہمن) را صاحب دخل گردانیدہ (فرشتہ صفحہ ۲۷، جلد ۲)

شمالی ہندوستان کی نسبت مشہور ہے کہ سب سے پہلے سلطان سکندر لودی کے زمانہ میں یہاں ہندوؤں نے فارسی پڑھنی شروع کی، تاریخوں کے پڑھنے سے یہ صاف نظر آتا ہے کہ ہندو رعایا کی تعلیم کے لئے اس سے پہلے کوئی خاص انتظام نہیں کیا گیا تھا، بلکہ جو طریقہ تعلیم اور نصاب تعلیم ان میں مدتوں متوارث چلا آتا تھا اس میں کوئی دخل نہیں دیا گیا اپنے طور پر درس وتدریس کے جو انتظامات ان میں جاری تھے ان کو علیٰ حالہا باقی رکھا گیا، مسٹر لا اپنی تاریخ "پروموشن آف لرننگ ان انڈیا" کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

> ابھی وہ دن دور تھا جب کہ ہم مسلمان سلاطین کو ہندو اور مسلمان دونوں رعایا کی تعلیم کی برابر سرپرستی کرتے ہوئے اور ایک ہی جوش کے ساتھ مسلمانوں کے علاوہ دوسری قوموں کے علوم کو ترقی دیتے ہوئے پائیں، سب سے پہلے مسلمان فاتح کے ہندوستان میں قدم جمنے کے ایک صدی یا دو صدی بعد تک ہندوؤں کی تعلیم اور ان کے علوم اپنے (قدیم) راستہ پر اپنے حامیوں کی اعانت سے چلتے رہے۔

مگر بعض قرائن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فارسی تعلیم کا رواج ان میں اس سے پہلے پیدا ہو چکا تھا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق جو ۷۵۲ھ میں تخت نشین ہوا تھا، کانگڑہ کی فتح کے موقع پر جوالا مکھی کی سیر میں اس کو ایک چھوٹا سا کتب خانہ ملا تھا، پنڈتوں کو بلا کر چند کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کرایا، سیر المتاخرین کی عبارت یہ ہے:

سلطان علمائے آن طائفہ را بحضور خویش طلب داشتہ مضامین آن راشنیدہ محفوظ گردید وفرمود بعضے از آن کتب را بہ فارسی ترجمہ کنند۔

بہرحال مؤرخین کا مطلب یہ ہے کہ باقاعدہ اور عمومیت کے ساتھ ہندوؤں میں فارسی تعلیم کا رواج سلطان سکندر لودی کے زمانہ سے ہوا۔ سلطان لودی نے ہندوؤں کے نہان کی جگہوں میں مساجد، مدرسے اور بازار قائم کیے، سپاہیوں کو تعلیم پر مجبور کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں میں بھی عام طور پر فارسی تعلیم رائج ہوگئی۔ فرشتہ شہادت دیتا ہے:

بعہد فرخندہ او علم رواج یافت وامراء وارکان وسپاہیان بکسب فضائل اشتغال نمودند وکافران بخواندن ونوشتن خط فارسی کہ تا آنزمان درمیان ایشان معمول نبود پرداختہ۔

اس کے بعد شیر شاہ کا زمانہ آتا ہے، اس نے ہندوؤں کے ساتھ نہایت مہربانی کا برتاؤ کیا، بہت سے ہندوؤں نے فارسی پڑھ پڑھ کر دکن کی طرح شمالی ہندوستان میں بھی دفاتر سرکاری میں نوکریاں حاصل کیں، راجہ ٹوڈرمل جو اکبر کے نورتن میں شامل ہے، وہ شیر شاہ ہی کا تربیت کردہ تھا اور اس کی محکمہ مال گذاری کا دیوان تھا۔

تیموریوں کے زمانہ میں ہندوؤں کی تعلیمی ترقی درجۂ کمال تک پہنچ گئی گو اس کی تفصیلات نہ ملیں لیکن استقصائے جزئیات سے یہ نتیجہ واضح طور پر نمایاں ہوتا ہے کہ فارسی زبان کی تعلیم ان کے زمانہ میں گھر گھر پھیل گئی۔

فارسی تعلیم کے علاوہ سنسکرت اور دیگر مذہبی علوم کی تعلیم کے لئے ملک کے مشہور شہروں میں بڑی درس گاہیں تھیں، جہاں دور دور سے طلبہ آکر شریک درس ہوتے تھے، یہ درسگاہیں ٹھٹھ، ملتان اور خصوصاً بنارس میں زیادہ تھیں (۴) سلاطین تیموری بھی ان علوم کی دستگیری میں کمی نہیں کرتے تھے۔ درباروں میں ان کو مسلمان فضلائے عہد کے پہلو بہ پہلو جگہ ملتی تھی۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں ہندو فضلا کے حسب ذیل نام لکھے ہیں: مہادیو، بھیم ناتھ،

نارائین، شیوجی، مادھو، رام چندر، سری بھٹ، مادھوسرتی، جدروپ، بشن ناتھ، مدسودن، رام کشن، نرائن اسرم، بلبھدر مصر، ہرجی سور، باسدیو مصر، دامودر بھٹ، رام تیرتھ، بدھ نواس، نرسنگھ، گوری ناتھ، برم اندر، گوپی ناتھ، بجی سین سور، کشن پنڈت، نہال چند، بھٹا چارج، کاشی ناتھ، دیوی برہمن، دیوی بھمن نے مہابھارت کا فارسی میں ترجمہ کیا۔

اکبری دربار میں فن مصوری ونقاشی کے جو ماہرین تھے ان میں مسلمان استادوں کو چھوڑ کر حسب ذیل ہندو اساتذہ تھے، دسونت کہار، وساون کیشو لال، مکند، مادھو، جگن، مہیش، کھیم کرن، تارا، ساوُنلا، ہری بنس رام۔

جس طرح اس عہد میں سنسکرت سے فارسی میں کتابیں ترجمہ کی گئیں، بعض کتابوں کا عربی وفارسی سے سنسکرت میں بھی ترجمہ کیا گیا، مرزا لغ بیگ کی زیچ علم ہیئت کی آخری اور مستند کتاب ہے، مسلمان اور ہندو فضلا کی ایک مشترک مجلس نے اس کا سنسکرت میں ترجمہ کیا، ہندو علماء میں سے کشن، جوتشی، گنگا دھر، مہیش اور مہانند اس مجلس کے ممبر تھے۔

جہانگیر نے بھی ہندو فضلا کی قدردانی میں کمی نہیں کی، اس کے عہد میں جدروپ گوشائیں، نہایت مشہور بیدانیت تھا، وہ پاپیادہ اس کے جھونپڑے تک جاتا اور گھنٹوں اس کے پاس بیٹھا رہتا، راستہ چلتے کسی سنیاسی کا نام سنتا تو اس کے ملاقات کو اتر پڑتا، ایک دفعہ وہ سفر کررہا تھا کہ ناگاہ ایک مقام پر اس کو بہت سے جوگی نظر آئے، تزک میں لکھتا ہے:

درہمیں منزل شب شیورات واقع شد جوگی بسیار جمع آمدہ بودند.....

بادانایان ایں طائفہ صحبتہ داشتہ شد۔

رائے منوہر لال ولد رائے لون کرن لڑکپن سے جہانگیر کے زیر سایہ عاطفت تعلیم پاکر جوان ہوا تھا۔ فارسی زبان کی شاعر اور خوشخطی میں سلیقہ خاص پیدا کیا۔(۵) راجہ سورج سنگھ نے ایک ہندو شاعری کو دربار میں پیش کیا، جہانگیر اس کے چند ہندی اشعار سن کر نہایت محظوظ ہوا اور ایک ہاتھی اس کو عطا کیا۔(۶) اس کے دربار کا مشہور نقاش بشن داس تھا جس کو جہانگیر نے ایران

بھیجا تھا۔(۷)

دارا شکوہ کا دربار ہندو فضلا اور شعرا سے بھرا رہتا تھا، وہ خود بھی ہندوؤں کے علوم و فنون میں مہارت رکھتا تھا، اسی لئے ہندو علما کو عزیز رکھتا تھا، اس کے دربار کا گویا ملک الشعرا ایک برہمن چندر بھان نامی تھا۔ اس کا تخلص برہمن تھا، فارسی میں دل پسند شعر کہتا تھا، اس کا دیوان فارسی اب تک موجود ہے، دارا شکوہ کے قتل کے بعد بنارس میں آ کر سکونت اختیار کر لی تھی جہاں اس نے ۱۰۷۳ء میں وفات پائی۔ اس مضمون میں بدنصیب عالمگیر کا نام، کسی دوستانہ حیثیت سے تو بار نہیں پا سکتا لیکن دشمنانہ انداز میں بھی کیا کسی رسم محبت کا سراغ لگ سکتا ہے؟ مآثر عالمگیری میں ہے۔"

به عرض خداوند دین پرور رسید که در صوبه ٹھٹھ و ملتان، خصوص بنارس برہمنان بطالت نشان در مدارس مقرر به تدریس کتب باطله اشتغال دارند و راغبان و طالبان از ہنود و مسلمانان مسافتہائے بعیدہ طے نمود جہت تحصیلِ علوم شوم نزد آن جماعت گمراہ آیند، احکام اسلام نظام به ناظمان کل صوبه جات صادر شد که مدارس و معابد بے دینان دستخوش انہدام سازند و به تاکید اکید طور درس و تدریس و رسم شیوع مذہب کفرانیان برا اندازند (صفحہ ۸۱)

اس عبارت سے جہاں عالمگیر کی تنگ دلی ظاہر ہوتی ہے، وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت ہندوستان کے تمام صوبوں میں ان کے مدارس قائم تھے، غالباً ان مدارس کے توڑنے کے احکام اسی اصول پر مبنی ہوں گے، جس کی مثال ہم کو اس روشن عہد حکومت کی تعلیمی پالیسی میں نظر آتی ہے۔

محمد شاہ کے زمانہ میں راجہ جے سنگھ والی جے پور نے دلی، بنارس اور اوجین میں رصد خانے قائم کرائے، ملا خیر اللہ مہندس رصد خانۂ دلی کے منتظم خاص تھے، بنارس کا رصد خانہ اب تک موجود ہے اور ہندوؤں کے تہواروں میں اور شادی بیاہ کی تاریخوں میں اس سے اب تک مدد لی

جاتی ہے۔

جے سنگھ نے مسلمان علما کو جمع کر کے عربی زبان کی چند مشہور ہئیت کی کتابوں کا ہندی ترجمہ کرایا۔(۸)

اس تمام عہد میں ہندوؤں کی تعلیم روز بروز ترقی کرتی گئی، فارسی دانی کا ذوق، علوم عربی کی تحصیل کا شوق، شاعری کا مذاق، خطاطی، خوشنویسی، حساب وغیرہ کی تعلیم نہایت عام ہوتی گئی، یہاں تک کہ اس عہد میں یہ نظر آتا ہے کہ ہر شریف ہندو کچھ نہ کچھ لکھا پڑھا تھا، یہ تو ہم کہتے کہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندوستان میں کتابوں کے جمع کرنے اور کتب خانوں کے قائم کرنے کا شوق نہ تھا۔ کانگڑہ کی فتح میں مسلمانوں کی جو کتب خانہ ملا تھا اس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ لیکن اس عہد میں مسلمانوں کی دیکھا دیکھی ہندو شرفا میں کتب خانوں کے قائم کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ تاریخی حوالوں کو چھوڑ کر آج ہندوؤں کے جو قدیم شریف گھرانے موجود ہیں وہاں عربی اور فارسی کتابوں کی چند فرسودہ جلدیں کسم پرسی میں پڑی ہوئی ملیں گی۔ بڑے بڑے ہندو امرا کے ایوانوں میں دیگر سامان آرائش کے ساتھ ساتھ کتب خانہ کا وجود بھی لوازم ریاست سے سمجھا جاتا تھا، لاہور، دلی، لکھنؤ، پٹنہ، اور ڈھاکہ میں ایسے بکثرت گھرانے ملیں گے، پٹنہ میں اس وقت دو ایک ایسے قدیم ہندو رئیس موجود ہیں جن کے یہاں عربی کتابوں کے نوادر نسخے اب تک موجود ہیں اور ان کو اس قدر عزیز ہیں کہ وہ ان کو جدا نہیں کر سکتے، راجہ شتاب رائے ناظم بہار کے خاندان میں اس قسم کا ایک نادر کتب خانہ موروثی چلا آتا ہے۔

(۲)

گذشتہ اوراق میں جو کچھ کہا گیا وہ جنوبی اور شمالی ہندوستان اور کشمیر کے متعلق تھا، ان اوراق میں اس خطۂ ہند کے متعلق ہم کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں جو آج ہندوستان کا سرتاج اور مایہ فخر

و ناز ہے، یعنی بنگال!

بنگالی زبان آج اپنی ثروت اور تمول کے لحاظ سے تمام ہندوستان کی زبان میں سب سے زیادہ دولت مند ہے لیکن یہ سن کر تعجب ہوگا کہ اس کی ترقی کا آغاز بنگال میں مسلمانوں کی ابتدائے حکومت سے ہوتا ہے، اس سے پہلے یہ زبان، کاغذ کے ایک صفحہ کی بھی مالک نہ تھی، بنگالی زبان کی سرسبزی اور شادابی کی آج دھوم ہے لیکن مسلمانوں سے پہلے اس زمین میں ایک تخم بھی بویا نہ گیا تھا۔

اس دعویٰ کے ثبوت میں ہم اپنی تحقیقات کے بجائے، ایک فاضل بنگالی مؤرخ کی تاریخ ''ترقی علوم در ہندوستان'' کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

''سلاطین بنگال کی کوششیں صرف مسلمانوں کی تعلیم کی ترقی تک محدود نہیں رہیں، کیوں کہ انھوں نے اپنی دیرینہ بیدار مغزی کو ایک نئے راستہ پر علوم کو ترقی دینے میں جس کے ساتھ بنگالی بولنے والے لوگوں کو خاص طور سے دلچسپی ہونا چاہیے، متوجہ کیا، ان لوگوں کو یہ بات بے جوڑ معلوم ہوگی کہ ان کی زبان اپنے علمی سطح تک پہنچنے میں خود ان کی نہیں بلکہ ان مسلمانوں کی ممنون ہے جن کی ابتدائی توجہ اس کی طرف صرف اس کی ندرت کی بنا پر اور اس بنا پر تھی کی اس کو اس سنسکرت زبان سے تعلق ہے جو اس وسیع ہندو آبادی کا محبوب خزانہ ہے جس کے ساتھ ان کو بہت زیادہ تعلق ہے''۔

''سب سے پہلے مہابھارت اور رامائن کی رزمیہ نظموں نے بنگال کے مسلمان سلاطین کو اپنی طرف متوجہ کیا، جن کے اشارہ سے ان کا بنگالی یعنی ملکی زبان میں ترجمہ ہوا، مہابھارت کا سب سے پہلا ترجمہ ناصر شاہ، والی بنگال (۱۲۸۲ء۔۱۳۲۵ء) کے حکم سے ہوا، جو صوبہ کی دیسی زبان کا بہت بڑا

مربی تھا اور جس کو شاعر اعظم دریاپتی نے اپنی مدد دے کر زندۂ جاوید بنا دیا، اپنی ایک نظم میں سلطان غیاث الدین کا بھی ذکر کرتا ہے جس سے غالباً غیاث الدین ثانی والی بنگال ۱۳۶۷ء۔۱۳۷۳ء مراد ہے"۔

"........یہ مشکوک ہے کہ بنگال کے کسی مسلمان بادشاہ یا ہندو راجہ (۹) کانس نرائن نے کرتی کو بنگال میں رامائن کا ترجمہ کرنے کا حکم دیا، اگر پچھلی روایت صحیح ہے تو اس میں شک نہیں کیا جاسکتا کہ مسلمانوں ہی کی نظیروں نے اس کارنامے کے انجام پر اس کو آمادہ کیا"۔

"سلطان حسین شاہ بنگالی زبان کا بہت بڑا مربی تھا، ملادھر باسو کو اسی نے بھاگوت پوران کے بنگالی ترجمہ پر مقرر کیا، حسین شاہ کا ایک سپہ سالار پرگل خان نامی ہے، پرگل خان اور اس کے بیٹے نے اپنے نام کو اس بنا پر بقائے دوام بخش دیا ہے کہ انھوں نے مہابھارت کا ٹکڑا بنگالی میں ترجمہ کرایا"۔

پرگل خاں روزانہ شام کو اپنے محل پر گلپور واقع فینی میں اپنے اہل دربار کو جمع کرتا تھا تاکہ مہابھارت کے بنگالی ترجمہ کو مترجم یعنی کوندراپرمیشور کی زبان سے سنیں، پرگل خاں کے زیر اہتمام اس رزمیہ نظم کا ترجمہ "استری پرو" تک پورا ہوا، اس کے بعد چھوٹے خان جو اس کا چاٹگام کی گورنری پر جانشین ہوا اس نے سریکرن نندی شاعری کو مقرر کر کے اس کام کو جاری رکھا اور "آشمویدھ پرد" کا ترجمہ کرایا"۔

مسلمان امرا کے اشارہ سے بنگالی میں سنسکرت اور فارسی کتابوں کے ترجمہ کرنے کی مثالیں شاذ نہیں ہیں، انھوں نے سنسکرت کے عشاق برہمن

اور ہندو راجاؤں کے اس مغرور جذبہ کو جس سے وہ بنگالی زبان کو دیکھتے تھے، بدل دیا، مسلمان امرا کی تقلید میں بنگالی مصنفین کی ہمت افزائی اور درباروں میں بنگالی شعرا کے رکھنے کا ہندو راجاؤں میں عام رواج ہو گیا، اس زمانے سے کتنے ممتاز بنگالی شعرا اور مصنّفین نے ہندو راجاؤں کے درباروں کو آراستہ کر دیا، جس کے سبب سے بنگالی مقبولیت عام میں بلند سطح تک ترقی کر گئی اور ان زبانوں کی جو اپنے پاؤں اس صوبہ میں گاڑ رہی تھیں حریف بن گئی۔" (۱۰)

الغرض رفتہ رفتہ عربی اور فارسی زبان کی تعلیم بنگالی شرفاء کا طغرائے امتیاز بن گئی خصوصاً ان خاندانوں کے لئے جن کو حکمرانوں کی نیابت اور سرکاری عہدوں پر سرافرازی کا موروثی حق ہو گیا تھا، مہاراجہ سورجو کنرا اچارجی ٹاکی، مہاراجہ جتندر و موہن ٹاگور اور مہاراجہ تاوا کرشنا کے خاندان بنگال میں عربی اور فارسی علوم و ادبیات کے مربی تھے اور ان کے فرزندانِ علوم میں عالمانہ مہارت رکھتے تھے، راجہ رام موہن رائے بانی فرقہ برہموسماج اور راجہ کشب چندر سین جنہوں نے آخر زمانہ میں بنگالی قوم میں مصلحین اعظم کا درجہ پایا ہے، علوم اسلامیہ کے واقفین میں ان کا شمار ہے، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی ندوہ کے اجلاس مدارس (۱۹۱۷ء) کی تقریر میں فرماتے ہیں:

"بنگال کے جدید دور ترقی کا سنگ بنیاد راجہ رام موہن رائے کے قابل ہاتھوں سے رکھا گیا، یہ واقعہ ہے کہ انھوں نے پٹنہ میں عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی، گذشتہ موسم سرما میں کلکتہ کے ایک نامور بنگالی بابو نے مجھ سے کہا کہ ان کے باپ اور چچا کے زمانہ تک کلکتہ سے بکثرت بنگالی عربی پڑھنے پٹنہ جایا کرتے تھے، چنانچہ ان کے چچا نے پندرہ برس میں علوم عربیہ کی تکمیل کی تھی، گریش چندر گھوش نے قرآن مجید، تذکرۃ الانبیاء اور مشکوٰۃ کا بنگالی میں

ترجمہ کیا۔

انہیں اسباب کا اثر ہے کہ بنگالی زبان میں عربی اور فارسی کے الفاظ خصوصاً، آداب سلطنت اور کارروائی ہائے مقدمہ کے الفاظ بکثرت ہیں اور اب رفتہ رفتہ ان کی جگہ انگریزی لے رہی ہے، تاہم بنگال کی ڈیڑھ دوسو برس کی انگریزی حکومت کے بعد بھی ان کے الفاظ کا اب تک بنگالی میں رواج پذیر رہنا، اس کے یہ معنی ہیں کہ اس زبان میں ان مفاہیم کے لئے سرے سے الفاظ ہی نہ تھے۔

بنگال کے بعض ممتاز خاندانوں کا سرنام اب تک فارسی ہے، مثلاً ملک، عہدہ دار، سرکار، موزمدار، اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ان کو اپنے حاکم وقت کی زبان سے کس درجہ محبت تھی۔

مہاراشٹر کی مرہٹی زبان جو کہنا چاہیئے کہ وہ ہندوستان کی اس قوم کی زبان ہے جس کا اگر بس چلتا تو مسلمانوں کی ہستی کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ ڈالتی، تم اس سے قیاس کرسکتے ہو کہ مسلمانوں کے علوم وفنون اور زبان سے اس کو کس درجہ نفرت ہوگی لیکن یہ معلوم کرکے تعجب کی انتہا نہ رہے گی کہ مرہٹی زبان کے بنانے میں مسلمانوں کے زبان قلم نے سب زیادہ کام کیا ہے، دہقانی اور صحرائی مرہٹوں کو طرز آداب شاہی سیکھنے کے لئے اپنے انہیں دشمنوں کا دست نگر ہونا پڑا، ابتداءً مرہٹی زبان ایک وسیع ملک کی جہانداری کی قوت نہیں رکھتی تھی، اس لئے ناچار انہیں مسلمانوں اور برہمنوں کا اس کو ممنون ہونا پڑا جنہوں نے فارسی زبان پڑھی اور سیکھی تھی، مرہٹہ راجاؤں کے فرامین آج بھی تم پڑھ لو تو آدھے سے زیادہ اس میں اصلی یا بگڑے ہوئے فارسی و عربی الفاظ کی آمیزش پاؤ گے، تعلیم یافتہ سے تعلیم یافتہ مرہٹہ آج قدیم مرہٹی زبان کے لٹریچر کے سمجھنے سے اپنے کو عاجز پاتا ہے۔

آداب وقواعد سلطنت، کاغذات سرکاری، صنعت وحرفت، خانگی زندگی ہر ایک چیز میں اس کی زبان کا اصلی راس المال عربی وفارسی زبان کے الفاظ ہیں۔ ہمارے دوست شیخ عبدالقادر صاحب ایم۔ اے پروفیسر الفنسٹن کالج بمبئی جو مرہٹی کی زبان دانانہ لیاقت

رکھتے ہیں، وہ مرہٹی زبان کی ایک ڈکشنری لکھنے والے تھے، جس سے بیک دفعہ یہ نظر آجاتا کہ عدالت، کتب خانہ، مدرسہ، بازار، کارخانہ ہر جگہ مرہٹی کے آلات تخاطب عربی وفارسی الفاظ ہیں، حلوائی، کی دوکان سے بڑھئی اور لوہار کے مکان تک چلے جاؤ، آلات کے نام اور تہذیب وتمدن کے الفاظ کا ماخذ مسلمانوں ہی کی زبان کو پاؤ گے، تاریخ کے لئے لفظ مرہٹی میں نہ تھا، اب اس کو باکھر کہتے ہیں، اس زبان کے محققین کا بیان ہے کہ یہ کھبر کی تحریف ہے، ''کھبر'' سمجھے؟ خبر!

بیسیوں ہندو خاندان وہاں آباد ہیں، جن کا سرمایۂ امتیاز یہ ہے کہ عہد قدیم میں ان کا خاندان فارسی کا خدمت گزار تھا اور اب تک ان کا خاندانی سرنام وہی فارسی زبان کا لفظ ہے مثلاً ''پھر نیس'' یعنی فردنویس، ''چٹ نیس'' یعنی چھٹی نویس ''کلہ دار''، یعنی قلعہ دار، ''پوت دار'' یعنی پوتھی دار، ایک قسم کے مرہٹے سپاہی کا نام ''سلہ دار'' تھا اس کی اصل سمجھے، سلح دار، تگائی تم جانتے ہو؟ تم جس کو تقادی بولتے ہو، آج کل دکن میں مرہٹوں اور برہمنوں کی زبان پر حسب ذیل عہدوں کے نام عام طور سے جاری ہیں:

مقدم	چودھری	فوجدار	سب انسپکٹر
معاملہ دار	تحصیل دار	ناجر	ناظر
کارکن	محرر	سرستہ دار	سررشتہ دار
دیوان	سکریٹری		

ملک دکن اور مہاراشٹر کی تقریب سے ہم نے حیدرآباد کا ذکر نہیں کیا، سبب یہ ہے کہ اس مجسمۂ عدل وانصاف ریاست نے اپنی ہندو رعایا کی تعلیمی وعلمی ترقی میں جو کارنامے انجام دیئے ہیں وہ ایک مضمون کی ضمن میں نہیں بلکہ ایک کتاب کے سیکڑوں صفحات میں ان کا تذکرہ ہونا چاہیے، صرف ایک حیدرآباد کی اسلامی ریاست نے اپنی ہندو رعایا کے ساتھ جو کچھ کیا اور کر رہی ہے تمام ہندوستان کی ہندو ریاستوں نے مل کر بھی اپنی مسلمان رعایا کے ساتھ اتنا نہیں کیا، اس

وقت موضوع سخن صرف علمی اور تعلیمی حالات ہیں اس لئے صرف اسی زاویۂ نگاہ سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ علاوہ عام تعلیم کے جس کی بدولت ریاست کے تمام دفاتر پر ہندو اہل کار قابض رہے ہیں، اعلیٰ تعلیم کے لحاظ سے بھی ہر عصر میں یہاں ہندو اہل قلم مصنفین اور شعرا موجود رہے ہیں، اس بیان کی تصدیق کتب خانہ آصفیہ کی مطبوعہ فہرست کی دو جلدوں میں ملے گی، منشی لچھمی نرائن شفیق مصنف بساط الغنائم و تاریخ دکن، لالہ گردھاری لال مصنف تاریخ دکن، رائے منالال مصنف تاریخ دکن، لالہ لچھمی نرائن مصنف چمنستان شعرا، راجہ گردھاری پرشاد باقی، صاحب دیوان و مثنوی، مہاراجہ چندولال شاداں، صاحب کلیات، نند رام مصنف سیاق نامہ، جگناتھ نجومی مصنف تقویم التواریخ، حکیم رائے بچولال تمکین، صاحب دیوان و مصنف مجربات، رتن لال مصنف تخطیط البلاد وغیرہ کے سیکڑوں کے نام گنائے جاسکتے ہیں اور عجب نہیں کہ کوئی حیدرآبادی قلم ان سے بھی بہتر اشخاص کے نام پیش کر سکے۔

بہار، اودھ، صوبہ آگرہ اور دلی کے متعلق بے خطر کہنا چاہئے کہ یہاں ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے برابر برابر تھی، ان ممالک کے بے شمار ہندو فضلا کے نام تذکرہ میں محفوظ ہیں، فقط ایک لکھنؤ میں ہندو شعرا کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہوئی ہوگی، لکھنؤ کے کشمیری ہندوؤں میں فارسی تعلیم کا رواج انتہائی عروج پر تھا، لکھنؤ میں راجہ الفت رائے الفتؔ، کالی پرشاد اخلاصؔ، لال چند انسؔ، راجہ گنگا پرشاد بدرؔ، منشی خیالی رام خیالیؔ، بختاور سنگھ راقمؔ، میکولال الفتؔ، رام سہائے رونقؔ، میڈولال زارؔ، راجہ جیالال گلشنؔ، راجہ کالکا پرشاد موجدؔ، منشی املا لک راجہ جوالہ پرشاد وقارؔ، دیگر اضلاع اودھ و الہ آباد میں منن لال آفریںؔ الہ آبادی، رائے امر سنگھ خوشدلؔ مانکپوری، گوکل چند ہندو فرخ آبادی، راجہ مدن سنگھ موزوںؔ اٹاوی، رائے گلاب رائے گلشنؔ سندیلوی، سکھن لال موجد بدایونی، لالہ بیجناتھ مشتاقؔ بریلوی، لالہ رام بخش مطیقؔ قنوجی، لالہ بالمکند شہودؔ مانکپوری، منشی ایشری داس آرامؔ فرخ آبادی، اندرمن اورنگ آبادی (علی گڑھ) آگرہ میں چندر بھان برہمنؔ، شیو رام حیاؔ،

رائے منوہر ولد رائے لون کرن عظیم آباد پٹنہ میں، لالہ اجاگر الفت، راجہ پیارے لال الفتی، راجہ بہادر راجہ، راجہ رام نرائن موزوں، بنی پرشاد دل وغیرہ وفارسی زبان کے مشہور شاعر سخن فہم، انشاپرداز اور فاضل گذرے ہیں۔

الہٰ آباد کے مشہور ہندو لیڈر مالوی جی اگر اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہے کہ ممالک متحدہ کے ہندوؤں کا سب سے پہلا لیڈر جو اسی شہر الہٰ آباد میں آپ کے ہم پیشہ تھے اور جن کی کوشش سے آپ "پالٹیکس" کے لفظ سے گوش آشنا ہوئے ہیں وہ عربی اور فارسی علوم کے ایک بہت بڑے ہمہ دان فاضل تھے، یعنی پنڈت اجودھیا ناتھ! وہ ایک طرف کانگریس کے پلیٹ فارم پر لکچر دیتے تھے تو دوسری طرف اپنے گھر میں بیٹھ کر متنبی اور عرفی کا درس دیتے تھے۔

پنجاب بھی مسلمانوں کے تعلیمی اثر سے خالی نہیں مل سیالکوٹی متخلص بہ وارستہ جو فارسی کے مشہور لغت مصطلحات الشعرا کا مصنف ہے، وامق کھتری شاگرد ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، منشی پچھی نرائن دبیر گنجاوی لاہوری پنجاب کے نامور ہنود فضلا ہیں پچھی نرائن کو معقولات میں بھی بہت بڑی مہارت حاصل تھی، مصطلحاتِ فارسی کی تحقیق میں وارستہ نے ۳۰ برس ایران میں گذرا ے تھے۔

دلی میں منشی مادھو رام متقی، رائے منوہر، لال منوہر مرزا راجہ کدارناتھ نسیم، مرزا کوزرا دیکھئے گا، راجہ گوپال ناتھ غلام، پورن لال رنگین، بہادر سنگھ دلخوش، لالہ چنی داس ذرہ، شیو سنگھ بیجان، لالہ نرائن داس بیخود، سکھ راج سبقت، منشی گوہر لال تفتہ وغیرہ سیکڑوں فضلا گذرے ہیں۔ (۱۱)

دیہاتوں میں تعلیم کا طریقہ وہی تھا جو مدت دراز سے ہندوستان میں جاری ہے، گرو جی دیہات کے زمیندار.... کے ہاں نوکر ہوتے تھے، یا تمام گاؤں کی طرف سے ان کو تنخواہ ملتی تھی، لڑکے کسی کچے مکان کے برآمدہ میں یا سایہ دار درخت کے نیچے لپی ہوئی زمین پر بیٹھ جاتے تھے، ہاتھ میں لکڑی کا سیاہ رنگا ہوا تختہ ہوتا تھا، اس پر کھریا کی سفید روشنائی سے لکھتے تھے، یا کھریا مٹی کے

ڈھیلے سے زمین پر لکھتے تھے، ہندی لکھنا پڑھنا اور پہاڑہ اور حساب ان کو سکھایا جاتا تھا، یہ گویا پرائمری تعلیم تھی۔

عام تعلیم تو یہیں ختم ہو جاتی تھی، جو لڑکے آگے پڑھنا چاہتے تھے وہ یا سنسکرت اس کے بعد سیکھتے تھے اور پنڈت بنتے تھے یا سرکاری زبان فارسی کی تعلیم حاصل کر لیتے تھے، قصبوں میں فارسی کے مکتب ہوتے تھے، ہندو اور زیادہ تر مسلمان "میاں جی" پڑھاتے تھے، فارسی کی ابتدائی تعلیم میں بول چال خط و کتابت اور اخلاقی حکایات کی کتابیں داخل ہوتی تھیں، ہندو مسلمان لڑکے ایک ساتھ نہایت میل جول اور یکجہتی کے ساتھ پڑھتے تھے، گلستاں، بوستاں یوسف زلیخا، انشائے خلیفہ، بہار دانش، اخلاق ناصری، انوار سہیلی، سکندر نامہ، شاہنامہ وغیرہ کتابیں داخل درس تھیں، خوشخطی اور فارسی نویسی سکھائی جاتی تھی، فرامین اور دیگر مراسلات سرکاری اور خط شکستہ کے پڑھنے کی عادت دلانے کے لئے پرانے لمبے خطوط کا ایک طومار "میاں جی" اپنے پاس رکھتے تھے جس میں سو دو سو خط لمبے جڑے ہوتے تھے، مکتب کے طالب العلم ان کو پڑھتے تھے اس کو اسکول کی تعلیم سمجھنا چاہئے۔

اس کے بعد یا تو لڑکے نوکری کر لیتے تھے اور یا تکمیل کے لئے مشہور اساتذہ کی خدمت میں بڑے بڑے شہروں میں چلے جاتے تھے، ان سے فارسی کی اعلیٰ تعلیم، شاعری، علوم، اور کچھ عربی کی کتابیں پڑھتے تھے، بعض بعض طلبہ تمام علوم مروجہ کی تکمیل کرتے تھے۔

ابو الفضل نے آئین اکبری میں اپنے زمانہ کا نصاب تعلیم یہ بتایا ہے، اخلاق، ریاضیات، حساب، زراعت، اقلیدس، مساحت، ہیئت، رمل، قواعد مال، آئین سلطنت، طب، طبعیات، الٰہیات اور تاریخ، ہندوؤں کو ان علوم کے علاوہ دیا کرن (سنسکرت صرف نحو) ویدانت (ہندو تصوف و اخلاق) پاتن جلی، (ہندو فلسفہ) بھی پڑھنی پڑتی تھی، ابو الفضل کا بیان ہے کہ اس تعلیم کی بدولت تمام سلطنت آراستہ و مرصع ہو گئی تھی، اس کو اس عہد کے کالج کی تعلیم سمجھنی

چاہیے۔

سطور بالا میں تحصیل کمال اور طلب علم کے لئے جابجا اساتذہ کی خدمت میں سفر کا جو نقشہ میں نے کھینچا ہے، فارسی تذکروں کے پڑھنے سے یہ خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے۔ذیل میں منشی پچھی نرائن دبیر کے حالات تعلیم کی چند سطریں ایک فارسی تذکرہ سے نقل کرتے ہیں۔

"جد و پدرش در دہلی بوکالت امرائے عالمگیری و محمد شاہی عز امتیاز داشت، دبیر در طفلی از مولوی شیخ محمد گرفت، در سن دوازدہ سالگی بشوق نظم و نثر در مجلس استفادۂ سراج الدین علی خان آرزو جا گرفت، و برائے تحصیل صرف و نحو نزد لالہ ٹیک چند بہار رفت، بعد رشد، خدمت علمائے اعلام را التزام نمود و مشغول اکتساب علم طب و دیگر علوم عقلیہ بود۔ (در ۱۲۰۵ھ)

ہندو اور مسلمان طلبہ ان اساتذہ کی خدمت میں جس محبت و یکجہتی کے ساتھ مل کر تعلیم پاتے تھے اور "استاد بھائی" بن کر جو رشتۂ اتحاد باہم قائم کر لیتے تھے، وہ آج کل کے شاندار ایوانوں کے تاریخی زمانہ میں مفقود ہے، محمد حفیظ خاں المتوفی ۱۱۹۴ھ ایک نامور استاد تھے، ان کے شاگردان با اخلاص کے نام سنئے، میر ابوالحسن، منشی پچھمن سنگھ، میر کلن، قادر بخش، پنڈت پچھی رام، محمد اسماعیل، لالہ سکھ رام، منشی کشن سنگھ، محمد تقی، منشی محبوب رائے، دیکھنا! "منشی محبوب رائے" کتنا پیارا نام ہے، کیا یہ ہندو مسلمانوں کے اتحاد باہمی کی عملی دلیل نہیں؟

لالہ چنی داس ذرہ دلی کے ایک مشہور معلم تھے، جن کے مکتب میں ہندو مسلمان لڑکے پڑھتے تھے۔ ہندوستان کے خاتمۃ العلما مولانا مفتی محمد لطف اللہ صاحب مرحوم کے استاد فارسی، منشی سوہن لال تھے اور مولانائے مرحوم کے تلامذہ میں جے بہاری لال کایستھ تھے، مولانا کے ایک تلمیذ رشید گواہی دیتے ہیں کہ میں نے خود دیکھا ہے کہ مولانا کے دوسرے رشید تلامذہ ان کے ساتھ برادرانہ برتاؤ کرتے تھے"۔(۱۲)

(۳)

تمدن ہند کا مصنف موسیو لیبان اپنی کتاب کے تیسرے باب میں ہندوؤں کے علوم وفنون پر حسب ذیل تنقید کرتا ہے:

ہم نے تمدن عرب میں جتنے باب علوم وفنون پر لکھے ہیں، ان کی توقع اس کتاب میں نہیں ہوسکتی، چوں کہ عربوں نے یونان وروم کے قدیم علمی ذخیرہ کو خود بہت ترقی دی اور اس کے بعد اس کو یورپ کے دارالعلوموں تک پہنچایا، اس لئے ہمیں ان کے زمانۂ حکومت کی علمی ترقیوں میں ایک خاص دلچسپی تھی اور اس وجہ سے ان ترقیوں کا بیان بھی تفصیل سے کیا گیا تھا، ہندوستان کے علوم کی یہ حالت نہیں ہے برخلاف اس کے ان علوم کے متعلق جو قدیم رائے تھی اس میں بہت کچھ ترمیم ہوگئی ہے اور ہمیں معلوم ہوگیا ہے کہ ان کے علمی خیالات ان اقوام سے لئے گئے ہیں جن کے ساتھ ان کو تعلق پیدا ہوا اور خود ہندوؤں نے اس میں کچھ اضافہ نہیں کیا، پس کسی خاص زمانہ کے ہندی علوم کی تحقیقات کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم ان اقوام کے علوم کی تحقیق کریں جن کا تعلق اس وقت ہند سے تھا اور یہ ایک ایسی بحث ہے جو ہماری کتاب کے مقاصد سے خارج ہے، جو کچھ ہم ہندوؤں کے دماغی حالت کے متعلق لکھ چکے ہیں اس سے بآسانی سمجھ میں آئے گا کہ انہوں نے کیوں ان علوم میں جو انہیں باہر سے حاصل ہوئے کوئی ترقی نہیں کی، ہندو دماغ جو فلسفہ میں نکتہ رس اور فنون میں تیز فہم ہے اس خاصیت سے جس کا نام مادۂ تحقیق ہے اور جس کے اوپر علوم کا دارومدار ہے بالکل عاری ہے، ہمیشہ سے ہندوؤں میں اصلی علوم کی کمی رہی ہے، ان میں دوسروں کی تحقیقات کو حاصل کر لینے کا تو پورا مادہ ہے لیکن اس درجے سے یہ کبھی آگے نہ بڑھ سکے وہ دو قومیں جن سے ہندوؤں نے اپنے علوم اخذ کئے، یونانی اور عرب معلوم ہوتے ہیں۔

یہ نہیں معلوم ہے کہ یونانی علوم ہند میں کیوں کر پہنچے لیکن شمالی وغربی ہند کی عمارات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے تعلقات بیکٹیریا کے ساتھ مدت دراز تک قائم رہے، بہت ہی قرین قیاس ہے کہ اسی ذریعہ سے یونانی علوم ہند میں آئے "وراہ مہر" جو نہایت قدیم ہندو مہندس ہے اور جو اجین میں چھٹی صدی عیسوی میں تھا، اپنی ہیئت کی کتاب میں یونانی اصطلاحیں استعمال کرتا ہے اور یونانیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے، عربوں کا علم کس طرح ہند میں آیا اس کا سمجھنا زیادہ آسان ہے، سنہ مسیحی سے بہت پہلے عربوں کے تجارتی تعلقات ہندوستان سے قائم تھے اور عرب ہی مشرق اور مغرب کے باہم ملنے کے ذریعہ تھے، اس کے بعد جب مسلمانوں نے تمام قدیم دنیا کو فتح کرلیا تو یہ تعلقات مثل سابق کے قائم رہے اور ہمیں عربی مورخین سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے بغداد کے دربار میں متعدد ہندو علما موجود تھے اس سے بھی مابعد زمانہ میں جب مسلمانوں نے ہندوستان پر حکومت حاصل کی تو علمائے اسلام علوم کو برابر ملک میں پھیلاتے رہے، مثلاً گیارہویں صدی عیسوی میں البیرونی نے جس کا زمانہ محمود غزنوی اول فاتح ہندوستان کا ہے، تمام ملک میں سفر کیا اور علوم عربی کو جو اس وقت بہت وسیع ہوگئے تھے کیوں کہ ان میں نہ صرف قدیم دنیا کے علوم موجود تھے بلکہ خود عربوں کی تحقیقات شامل ہوگئی تھی، ہندوستان میں پھیلایا، گیارہویں صدی کے بعد سے کہنا چاہئے کہ ہندی علوم سے مراد عربی علوم ہیں، پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندی علوم جن کی ابتدا پانچویں صدی عیسوی میں آریہ بھٹ کی ریاضت سے ہوئی اور پھر ساتویں صدی میں برہم گپت نے اس پر اضافہ کیا، اس زمانے سے لے کر آج تک انہیں مسائل سے بحث کرتے ہیں جو ہند میں ان دو ذریعوں سے آئے، اس وقت ہمارے پاس ہندو علوم کی مشہور تصانیف موجود ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں نے خود ان علوم میں زیادہ

ترقی نہیں کی، کسی زمانہ میں خیال کیا جاتا تھا کہ ہندوؤں کا علم ہیئت بہت کچھ کامل ہے اور قدیم ہے لیکن اب یہ خیالات قائم نہیں رہے اور ان پر بحث کرنا بے فائدہ ہوگا، اگر ان تصانیف میں کوئی نیا مسئلہ بیان کیا گیا ہے تو محض اشارتاً اور بلا دلیل، مثلاً آریہ بھٹ چند سطروں میں زمین کی محوری حرکت روزانہ کا ذکر کرتا ہے لیکن کسی قسم کا ثبوت نہیں دیتا، اسی طرح بارہویں صدی عیسوی میں سبھاسکر چاریہ نے اس طریقہ حساب کی طرف جس کو کیل کیولس کہتے ہیں اشارہ کیا لیکن اس سے آگے نہ بڑھا۔

جو کچھ اوپر بیان ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں نے علوم میں کسی قسم کی جدت نہیں پیدا کی، جب ان کی ذاتی تحقیقات کچھ نہیں ہے تو پھر ان کے علوم سے بحث کرنا اور محض ایسے مسائل پر ذکر کرنا جو عربوں اور یونانیوں کی تحقیقات سے لئے گئے ہیں محض لاحاصل ہے، اگرچہ ہندو علوم میں کم ہیں لیکن عملی طور پر انہوں بہت بڑی ترقی کی"۔

عبارت بالا میں عربوں سے مانسیو موصوف کی مراد "مسلمان" ہیں یہ غلط اصلاح دوسرے یورپین مصنفوں کی زبان وقلم پر بھی چڑھی ہوئی ہے، ہندوستان کے ساتھ قدیم عرب تعلقات کا جو ذکر مصنف نے کیا ہے اس سے اس کا اشارہ اس زمانہ قبل اسلام کی طرف ہے جب مشرق ومغرب یا ہندوستان وچین اور روم ویونان کے درمیان عرب تاجر سفیر اور متوسط کی خدمت انجام دیتے تھے، یورپ کا مال وہی ہندوستان وچین لے جاتے تھے اور وہی ہندوستان کی مصنوعات کو یورپ کے ہاتھوں میں دیتے تھے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ قدیم ہندوستان قدیم عرب کے تمدن سے کسی نہ کسی قدر متاثر ہو۔

اس تاثر کے آثار وعلامات ہندوستان کے سنگی کتبات اور تحریری اوراق دونوں

میں ملتے ہیں۔ ہندوستان کی پرانی سے پرانی تحریر اس وقت وہ خطوط اور کتبے (انسکرپشن) ہیں جو مگدھ (بہار) کے موریہ خاندان کے راجہ اشوکا (۲۵۳ ق م) کے مذہبی فرامین کی صورت میں ہندوستان کے پورے طول و عرض میں پیشاور سے گجرات دکن تک پہاڑوں پر اور لاٹوں پر کندہ ملتے ہیں، محققین فنِ خط (کیرکٹر) کا بیان ہے کہ ہندوستان کا یہ قدیم خط سامی خطوط کی شاخ آرامی خط سے ماخوذ ہے لیکن خطوط کی زبان پالی ہے یعنی قدیم بہار کی زبان جو بودھ کی مذہبی زبان تھی۔

تمام آرین تحریریں بائیں سے دائیں طرف لکھی اور پڑھی جاتی ہیں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ یہ کتبے، سامی تحریروں کی طرح داہنے سے بائیں طرف لکھے ہوئے ہیں اور اسی طرح سے پڑھے جاتے ہیں یہ اس بات کا دوسرا ثبوت ہے کہ ہندوستان کا قدیم سرمایہ تحریری اپنے وجود و بقا میں عربوں کا ممنونِ کرم ہے۔ (۱۳)

ہمارے دعویٰ کے ثبوت کے لئے اس زیادہ عجیب تر اور نادر تر وہ دستاویز ہے جو مہابھارت (۱۴) کی عدالت عالیہ سے ہم کو مل سکی ہے، ستیارتھ پرکاش کے گیارہویں سمولاس میں سوامی دیانند لکھتے ہیں کہ مہابھارت میں جب کوروں نے لاکھ کا گھر بنا کر پانڈو کو اس کے اندر پھونک دینا چاہا تو بدو جی نے یدھشٹر کو عربی زبان میں بتایا اور یدھشٹر نے اسی عربی زبان میں ان کو جواب دیا، سوامی جی کا بیان اگر صحیح ہے تو ہم کو نہایت خوشی ہے کہ ہم ملیچھوں کی زبان کسی زمانہ میں اس قدر مقدس بھی تھی کہ دیوتاؤں کے بڑے بڑے اوتار اس کو بولتے تھے اور اس میں ایک دوسرے سے راز کی باتیں کہتے تھے۔

بہر حال یہ قصے تو تاریخ کی یاد سے پہلے کے ہیں، خدا جانے اب کی بدگمان دنیا ان کہانیوں کو سچ بھی مانے گی یا نہیں، اس لئے ہم کو وہ داستان چھیڑنی چاہیے جو تاریخ کے ہوش کی باتیں ہیں۔ مسلمانوں کے آفتاب دولت نے ہندوستان کے افق سے طلوع ہو کر ملک میں جو روشنی

پھیلائی ہم چاہتے ہیں کہ تاریخ کی نشوزی شیشہ کے ذریعہ سے اس کی تحلیل کردیں تاکہ ہر صاحب بصیرت کو نظر آجائے کہ واقعہ کیا ہے، مسلمانوں نے ہندوستان آکر جن علوم کو پھیلایا اور جس تعلیم کو رائج کیا، ترتیب وار ہم اس کی تشریح کرنی چاہتے ہیں، اس کی بہتر اور آسان صورت یہ ہے کہ اس عہد کے ہندو مصنفین کا جائزہ لیا جائے اور دکھایا جائے کہ مسلمانوں کے عہد حکومت میں ان کی کیا تعداد تھی، کیا حیثیت تھی، کیا نوعیت تھی اور کسی پچھلے زمانہ کی تعلیمی حالت کی تشریح کے لئے اس کے سوا کوئی اور تدبیر نہیں۔

ہم کو اس سے انکار نہیں کہ مسلمانوں کے عہد سے پہلے ہندوستان میں مصنفین موجود تھے اور ان کی خاصی تعداد ہے، ان کی ابتدا بودھ مت کے زمانہ عروج سے ہوتی ہے، قدیم ہندوستان میں کہیں کہیں جو مدارس قائم تھے جن کا ذکر چینی سیاحوں نے کیا ہے وہ اسی مذہب کے درسگاہ تھے، شنکراچاریہ نے بدھ اور جین مت کو مٹا کر جب ویدک دھرم کا دوبارہ پرچار کیا اور سنسکرت زبان نے بدھ والوں کی پالی کو ہٹا کر خود اس کی جگہ لینی شروع کی تو اس جوش و ہیجان نے طبیعتوں کو تصنیف و تالیف کی طرف رجوع کیا اور سنسکرت زبان جو پہلے صرف دعاؤں بھجنوں اور منتروں پر مشتمل تھی وہ علوم وفنون پر بھی حکمراں ہوئی، تاہم مذہبی کتابوں سے قطع نظر کر کے اس کا خالص سرمایہ تحریری اتنا بھی نہیں جو چند الماریوں کی زینت ہوسکے، ہر علم پر میتھالوجی اور افسانوں میں ملی جلی دو دو تین تین کتابیں تھیں، اس دعویٰ کی دلیل سنسکرت داں علمائے اسلام (۱۵) اور مستشرقین یورپ (۱۶) کے بیانات ہیں اور سنسکرت کی سرزمین کی موجودہ پیائش علمی ہے۔ (۱۷)

مسلمانوں نے ان کو بتایا کہ افسانہ اور کہانی سے الگ کر کے علوم وفنون پر خالص علمی کتابیں بھی لکھی جاسکتی ہیں۔ اکثر قدیم تصنیفات صرف برہمنو کی ملکیت تھی، وسعت تعلیم نے برہمنوں سے نکل کر ہندوستان کے دوسرے طبقوں کو بھی یہ علمی آزادی بخشی۔ اولاً جیسا کہ ہر نئی چیز کا قاعدہ ہے مسلمانوں کی زبان سیکھنا برہمنو نے ناجائز قرار دیا تھا، اشلوک بنائے گئے کہ مسلمانوں کی زبان سیکھنا اور جینیوں کے مندر میں جانا مست ہاتھی کے آگے پڑنے سے زیادہ خطرناک

ہے(۱۸) تاہم جیسا کہ پہلے نمبر میں ہم نے بہ تفصیل بیان کیا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ تعصب ہندوؤں سے کیوں کر دور ہوا اور سکڑوں برس کے بعد سکندر لودی کے زمانہ سے فارسی تعلیم نے ان میں عام اشاعت پائی۔

اسلامی علوم میں سب سے پہلے تاریخ کا ذکر کرتے ہیں:

تاریخ

تاریخ وہ فن ہے، جس کی طرف قدیم ہندو دماغ نے کبھی توجہ ہی نہیں کی، لیبان تو کہتا ہے کہ اس کے لئے ہندوؤں کا دماغ ناموزوں معلوم ہوتا ہے(۱۹) آریہ ورت انسانیت کا نہایت قدیم گہوارہ ہے اگر یہاں انسانوں کے پچھلے تاریخی کارناموں کا محفوظ رکھنے کی لیاقت ہوتی تو بہت عقدے آج ہمارے لئے پیچیدہ نہ ہوتے، ہندوستان کی پرانی داستان سننے کے لئے ہم کو یونان اور چین کے سیاحوں کے پاس جانا پڑتا ہے، خود ہمارے گھر میں اپنی دنیا کی پچھلی زندگی سے واقفیت حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، ویدوں کے کہنہ اوراق، منو شاستر کے قانونی دفعات، مہابھارت کے رنگین صفحات، رامائین کی پردرد کہانیاں اور اپنشد کی پیاری پیاری باتیں ان میں سے کوئی چیز قدیم ہندوستان کی تاریخ کا ہم کو پتہ نہیں دیتی۔

آغاز عالم سے زمانۂ اسلام تک ہندوستان میں جو سیاسی انقلابات ہوئے ملک کے صوبہ صوبہ پر جو حکمراں فرمانروائی کررہے تھے، بڑے بڑے جو عالم فاضل اور پنڈت پیدا ہوئے ان کے تاریخی حالات آج پتہ لگانا چاہو، صحیح تاریخ ولادت، وفات اور سوانح حیات چاہو تو قیاس کے سوا کوئی روشنی تمہاری رہنمائی نہ کرسکے گی، پرانوں سے صرف رشیوں اور مینوں کے کچھ کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ تاریخ نہیں۔

لیکن اسی غیر تاریخی ملک میں جب مسلمانوں کا قدم آتا ہے تو یہاں کا آسمان و زمین

بدل جاتی ہے، آریہ ورت کا ذرہ ذرہ چمک اٹھتا ہے، مسلمان سلاطین، امرا، علما، شعرا اور دوسرے اکابر رجال کو چھوڑ کر مسلمان مؤرخوں اور تذکرہ نویسوں نے خود ہندو راجاؤں، پنڈتوں، شاعروں اور امیروں کے حالات اس قدر لکھے ہیں کہ یہ بآسانی دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہزارہا سال جو ہندو قوم پر گذرے، اس زمانہ کے (میتھالوجکل) تمام ہندو علما اور امرا کی فہرست جتنی طویل بنائی جاسکتی ہے مسلمانوں کی آمد کے بعد صرف آخری ۵۰۰ برس کے عرصہ میں اس سے دو چند بلکہ سہ چند بڑی فہرست مع احوال تاریخی پیش کی جاسکتی ہے، صرف تیموریوں کے زمانہ میں جو ہندو امرا اور علما گذرے ہیں ان کے حالات و بیانات دو تین جلدوں میں سما سکتے ہیں، ہندو فارسی شعرا کے نام وسوانح بایں ہمہ قومی بیگانگی، ہمارے فارسی تذکرے جو خاص مسلمانوں کے قلم سے نکلے ہیں اس قدر سنا سکتے ہیں کہ آپ سنتے سنتے گھبرا اٹھیں گے۔

آج یورپ کے دعویٰ آزادی ومساوات کے شور و ہنگامہ نے دنیا کو چھالیا ہے، ممالک مفتوحہ میں اشاعت تعلیم کی یہ کثرت ان کا بیان ہے کہ صرف ہمارے دور حکومت کی خصوصیت ہے، ہم کہتے ہیں بجا ہے اور درست ہے، جاؤ اور انگریز قلم کے تصنیفی فہرست کا ایک ایک ورق پڑھ ڈالو، ان کی انسائیکلوپیڈیائیں الٹ ڈالو، ان کی تاریخ اور تذکروں کو چھان ڈالو، اس تفحص، اس تلاش اور اس محنت کے بعد ہم کو بتاؤ کہ مغرور انگریز قلم کے آب حیات نے تمارے کتنے علما، فضلا اور شعرا کے نام زندہ کیے ہیں اور کتنے اس قابل سمجھے گئے کہ حکمراں قوم اپنی شاہی زبان میں اور اس پریس کے عہد میں ان کے تذکرے لکھے (۲۰) پھر کیا ظالم، بت شکن اور ملچھ مسلمانوں کی یہ علمی آزادی ومساوات نہ سمجھی جائے گی کہ انہوں نے مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں قوموں کے فضلا کو ایک نظر سے دیکھا اور اس حکمراں قوم نے اپنی شاہی زبان کے علمی درباروں میں دونوں کو پہلو بہ پہلو جگہ دی۔

علاوہ وہ ازیں مسلمانوں کے تاریخی ذوق نے ہندوؤں میں اس فن کی تعلیم و ترقی کا وہ

جوش پیدا کیا کہ آج بھی اگر یورپ اور ہندوستان کے کتب خانوں کا جائزہ لیا جائے تو ایک بڑا گراں قیمت سرمایہ فراہم ہو سکتا ہے، ہمارے سامنے تو اس وقت یورپ اور ہندوستان کے مادی کتب خانے نہیں صرف حیدر آباد، بانکی پور، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ اور لندن کے کتب خانوں کی فہرستوں کے معلومات ہیں، تاہم انہوں نے ہندو زبان کے فارسی مصنفین کے (جو عہد اسلامی کے علمی و تعلیمی کوششوں کے نتائج عملی ہیں) حالات بہم پہنچائے ہیں، کس قدر حیرت افزا ہیں سب سے پہلے ہم کو اس عہد کے ہندو مورخین کا تذکرہ کرنا ہے۔

راج ترنگنی: پیش نظر مواد جہاں تک ہماری اعانت کرتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی سب سے پہلی تاریخ جو کسی ہندی قلم نے لکھی وہ کشمیر کی تاریخ راج ترنگنی ہے، یہ کتاب ہندی میں سلطان زین العابدین والی کشمیر کے زمانہ میں لکھی گئی تھی، (۲۱) (سلطان ۸۲۶ میں تخت نشین ہوا تھا) مصنف کا نام کلہانا ہے، اکبر جب کشمیر گیا ہے تو یہ کتاب اس کے دربار میں پیش کی گئی اور اس کے حکم سے اس کا فارسی میں ترجمہ ہوا، ابوالفضل کا بیان ہے کہ اس میں کشمیر کے متعلق پانچ ہزار برس کا حال لکھا ہے، والیان کشمیر کے درباروں میں تاریخ نویسی کا خاص عہدہ تھا اور یہ کتاب اسی کوشش کا ثمرۂ نورس تھی (۲۲)۔

اصل متن کتاب فرانس اور ہندوستان میں چھپ گئی ہے (۲۳) اور فارسی نسخہ بھی مطبوع ہے۔

لال جی داس: بابا لال گرو شاہ جہاں کے زمانہ میں ایک عارف جوگی تھے، شہزادہ دارا شکوہ انہیں کا مرید تھا، لال جی داس، بابا لال گرو کا چیلا تھا، بابا کا سنہ پیدائش ۱۰۱۴ھ ہے ۱۰۵۹ھ تک وہ زندہ تھے، لال جی داس نے ۱۱۵۸ھ میں گرو کے حالات وملفوظات کو فارسی میں جمع کیا، گورنمنٹ کلیکشن لائبریری میں اس کا ایک نسخہ ۴۱ جلوس عالم شاہی کا لکھا ہوا موجود ہے۔

بنوالی داس ولی: شہزادہ دارا شکوہ کا میر منشی تھا، بعض نے اس کا نام بھوانی داس لکھا ہے، کتب خانہ آصفیہ کے فہرست نویس نے ولی رام گوسائیں دارا شکوہی نام بتایا ہے، بنوالی اور بھوانی تو

کتابت کی تصحیف ہے، ولی اس کا تخلص نام میں داخل ہوگیا، اس نے شاہان دہلی کی تاریخ لکھی ہے، کتاب کا نام راجا ولی ہے، کتاب مستند ہے اور بہت سی معتبر کتابوں میں اس کے حوالے ہیں، اس کے قلمی نسخے اکثر کتب خانوں میں موجود ہیں۔

رائے بندرابن: رائے بھارامل کا بیٹا تھا، بھارامل نے ۲۰ جلوس شاہجہانی میں حسن خدمات کے صلہ میں رائے کا خطاب پایا تھا، داراشکوہ نے اس کو اپنا دیوان مقرر کیا تھا، اس کے بیٹے بندرابن کو عالمگیر نے تربیت کیا اور رائے کا خطاب پایا تھا، داراشکوہ نے اس کو اپنا دیوان مقرر کیا تھا، اس کے بیٹے بندرابن کو عالمگیر نے تربیت کیا اور رائے کا خطاب بخشا، بندرابن نے لب التواریخ کے نام سے اپنی ایک بہترین یادگار چھوڑی ہے۔

ایسرداس: قوم ناگر، پٹن کا باشندہ تھا، وہ خود کہتا ہے کہ بچپن سے ۳۰ سال کی عمر کی تک وہ قاضی شیخ الاسلام ابن عبدالوہاب المتوفی ۱۰۹۶ھ کی خدمت میں حاضر ہوکر تحصیل علم کرتا رہا ہے۔ امرا اور اعیانِ دولت جو قاضی صاحب کے خدمت میں آیا کرتے تھے ان کے مباحثات اور گفتگوؤں کو بغور سنتا تھا اور ان سے فوائد حاصل کرتا تھا، تکمیل علم کے بعد ایسرداس، شجاعت خاں حاکم گجرات کی وساطت سے جودھ پور کا امین مقرر ہوا، وہ ہاتھ جو ۳۰ برس پہلے صرف قلم سے مانوس رہا تھا، تلوار کے قبضہ پر بھی مضبوط تھا، اس نے میدان جنگ میں کامیابی حاصل کی، بادشاہ کی طرف سے میرٹھ میں اس کو جاگیر عنایت ہوئی اور دو بست وینم صدی افسر مقرر ہوا، عہد عالمگیری کے امن داماں میں ہمارا فوجی افسر پھر وہی ۳۰ سال کا نوجوان طالب علم نظر آتا ہے اور فتوحات عالمگیری نام ایک بڑی تصنیف اپنی یادگار چھوڑتا ہے۔

بھیم سین کایستھ: رگھونندن داس اس کے باپ کا نام تھا، ۲۳ جلوس شاہجہانی (۱۰۵۹ھ) برہان پور دکن میں پیدا ہوا تھا، اس کا ایک عزیز بھکند اس عالمگیر کے دربار میں دیوان تھا اور دیانت رائے کے خطاب سے ممتاز تھا، بھیم سین نے بندیلہ کے حاکم راؤ دلپت کی سرکار میں نوکری کی، راؤ دلپت دکن کی لڑائیوں میں نہایت کارآمد سردار ثابت ہوا تھا، عالمگیر نے راؤ کے خطاب کے ساتھ

تین ہزار فوج کا افسر بنا دیا۔

بھیم سین گو کایستھ تھا لیکن قلعہ تھا لیکن قلعہ نالڈرک کی قلعہ داری نے اس نہایت خوبی سے کی۔ ۱۱۲۰ھ میں نوکری سے مستعفی ہو کر اپنے وطن میں گوشہ نشین ہو گیا اور اب موقع آیا کہ تلوار کی بجائے قلم کا حق ادا کرے، دلکشا کے نام سے عہد عالم گیری کی تاریخ لکھی جواب تک موجود ہے۔

نرائن کول عاجز: باشندۂ کشمیر، اپنی تصنیف کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ ایک مدت سے شرفائے کشمیر کا تقاضا تھا کہ ان کے وطن کی ایک تاریخ لکھ دوں، بالآخر بزرگان وطن کے اصرار سے مجبور ہو کر میں نے یہ بار امانت اٹھا لیا اسی زمانہ میں عارف خان کشمیر کے دیوان اور نائب صوبہ دار کے حکم سے ملک حیدر نے سنسکرت سے کچھ مواد فراہم کیا تھا وہ میرے حوالہ کیا گیا، میں اس کو دیکھا تو قابل اصلاح نظر آیا، بالآخر اصل سنسکرت سے مقابلہ کر کے اس کو بھی اپنی کتاب میں شامل کر لیا، ۱۱۲۲ھ میں تاریخ کشمیر تکمیل کو پہنچی۔

منشی ہیرامن گردھرداس: معتمد خان کے منشی تھے معتمد خان نے بھائیوں کی لڑائی میں عالمگیر کا ساتھ دیا تھا، امن وامان کے بعد ۱۰۷۱ھ میں وہ گوالیار کا حاکم مقرر ہوا، منشی ہیرامن نے اس تقریب سے اسی زمانہ میں گوالیار نامہ کتاب لکھی جس میں راجہ بکرماجیت کے ۳۳۲ برس بعد سے لے کر معتمد خان کی حکومت کے زمانہ میں گوالیار کی تاریخ مرتب کی۔

جسونت رائے: ولد بھگونت رائے، ولد سندرداس منشی لاہوری فارسی زبان کا فاضل اور شاعر تھا، پہلے پرول خان کے یہاں نوکر تھا، ۱۱۱۸ھ میں کرناٹک گیا اور نواب سعادت اللہ خان کے دربار میں رسائی پیدا کی اور ایک مدحیہ قصیدہ پیش کیا، نواب نے قدردانی کی اور جسونت رائے نے وہیں سکونت اختیار کر لی اور سعید نامہ کے نام سے نواب سعادت اللہ خان اور ان کے خاندان کی تاریخ لکھی۔

منشی ٹھاکر لال: ولد بھوج داس کایستھ، ماثر ضلع برہان پور کا رہنے والا تھا، ۱۱۳۹ھ میں اس نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "دستور العمل شاہنشاہی" رکھا، اس میں اس نے ہندوستان اور دکن

کے واقعات بطور فہرست ترتیب دیئے ہیں۔

منشی سوجان رائے کھتری: یہ شہنشاہ عالمگیر کے زمانہ میں تھا، خلاصۃ التواریخ کے نام سے ایک نہایت ضخیم اور مفصل تاریخ ابتدائے عالم سے لے کر شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد تک لکھی اور اس کو شش اور محنت سے لکھی کہ وہ مستند کتابوں کی فہرست میں داخل ہے، منشی موصوف اپنے کو پٹیالہ کا رہنے والا بتاتا ہے، اس کتاب کا قلمی نسخہ حیدرآباد اور لندن کے کتب خانہ مشرقی میں موجود ہے، ۱۱۰۷ھ میں وفات پائی۔

بندرابنداس: بندرابن داس بہادر شاہی، بہادر شاہ اول کے درباری متوسلین میں تھا، ۴۰ جلوس عالمگیری مطابق ۱۱۱۵ھ میں اس نے خلاصۃ التواریخ نام کتاب لکھی، اس میں ہندوستان کی تاریخ آریوں کے قدیم زمانہ سے لے کر عہد عالمگیر تک ترتیب دی ہے، عربی آمیز فارسی عبارت اس خوبی سے لکھی ہے کہ ایرانی قلم کا اس پر دھوکا ہوتا ہے، مقدمہ میں اپنے ماخذ گنائے ہیں، واقعات کا نہایت استقصا کیا ہے، اس کتاب کا ایک نادر نسخہ ۱۲۳۸ھ کا لکھا ہوا دیسنہ (بہار) کی الاصلاح لائبریری میں موجود ہے۔

جگ جیون داس: ولد منوہر داس، باشندۂ گجرات محمد معظم شاہ کی سرکار میں ڈاک کا مہتمم تھا، چوں کہ خفیہ سرکاری کاغذات اس کی نظر سے گذرتے تھے اس لئے اس کو واقعات کے جمع کرنے کا شوق پیدا ہوا، ۱۱۱۹ھ میں بہادر شاہ اول نے لاہور کے دربار میں باریابی بخشی اور وقائع نگاری کی خدمت پر اس کو مامور کیا۔ ۱۱۲۰ھ میں اس نے اپنی محنتوں کا ثمرہ منتخب التواریخ کے نام سے لکھ کر پیش کیا، اس کے صلہ میں دربار شاہی سے خطاب وخلعت وانعام حاصل ہوا۔

کامراج: ولد نین سنگھ، پھپھوند ضلع اٹاوہ اس کا وطن تھا، شہزادہ محمد اعظم کی سرکار میں مالوہ میں اس کو حاضری کا موقع ملا، اعظم الحرب کے نام سے اس نے شہزادہ کی لڑائیوں کے حالات لکھے، کامراج دیباچہ میں لکھتا ہے کہ بہت سے واقعات خود شاہی وقائع نگار نے اس

کے لئے بہم پہنچائے، مصنف نہایت اخلاص اور عقیدت مندی کے ساتھ اپنے کو تیموری دربار کا تین پشت سے نمک خوار بتاتا ہے۔

کشن چند اخلاص کھتری: شاہجہان آبادی، شاگرد مرزا عبدالغنی قبول کشمیر، اس کا باپ اچل داس فارسی کا شاعر تھا، کشن چند نے ہمیشہ بہار کے نام سے ۱۱۳۶ھ میں تذکرہ شعرا لکھا، اس میں اکبر سے لے کر محمد شاہ کے عہد تک کے فارسی شعرا کے حالات وسوانح ہیں یہ تذکرہ اس قدر مستند ہے کہ علامہ آزاد بلگرامی خزانۂ عامرہ کی تالیف میں اس کو اپنا ماخذ قرار دیتے ہیں اور اعلانیہ اس استفادہ کا اعتراف کرتے ہیں، اس کتاب کے نسخے بانکی پور اور حیدر آباد کے کتب خانوں میں ہیں۔

لال رام: باپ کا نام دولہ رام اور دادا کا نام رائے کنجمن، رائے کنجمن عالمگیر کے عہد حکومت میں کسی عہدہ پر ممتاز اور رائے کے خطاب سے مشرف تھا، دولہ رام بھی رائے کے خطاب سے مخاطب اور عہدہ داران شاہی میں داخل تھا، خود لال رام محمد شاہ کی سرکاری میں نوکر تھا، ۱۱۴۸ھ میں تحفۃ الہند ایک مستند تاریخی کتاب لکھ کر دربار شاہی میں تحفہ پیش کی۔

خوشحال چند: کسی زمانہ میں شاہ عالم گیر کے شاہی دربار کا دیوان تھا، ۱۱۶۴ھ اس کی تاریخ وفات ہے۔ اس کی وفات کے بعد اس کی جگہ اس کے بیٹے کو ملی، تاریخ نادر الزمانی خوشحال چند کی بہتر تصنیف ہے۔

ہیرا لال خوش دل: یہ غالباً دکن کا باشندہ ہوگا۔ قطب شاہیہ دکن کی اس نے منظوم تاریخ لکھی ہے، زمانۂ وجود معلوم نہیں، دسویں صدی ہجری کے آخر میں یا گیارہویں صدی کے اول میں اس کو ہونا چاہیئے، قطب شاہیہ کا زمانۂ حکومت یہی ہے، یہ کتاب بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں ہے۔

مہاراجہ کلیان سنگھ: کلیان سنگھ کا دادا رائے ہمت سنگھ دہلی کا ایک کایستھ، امیر الامرا صمصام الدولہ کی سرکار میں دیوان تھا، اس کے بیٹے شتاب رائے نے بڑا عروج حاصل کیا، دربار شاہی سے ممتاز الملک مہاراجہ شتاب رائے بہادر منصور جنگ کے نام سے مخاطب تھا اور سلطنت کی طرف سے

صوبۂ بہار کا ناظم (گورنر) مقرر ہوا تھا، خود بھی فاضل تھا اور فضلائے وقت کا قدردان بھی تھا، ۱۱۸۷ھ میں اس نے وفات پائی تو اس کا بیٹا انتظام الملک ممتاز الدولہ مہاراجہ کلیان سنگھ بہادر تہور جنگ کے نام سے صوبہ کی نظامت (گورنری) پر مامور ہوا، یہ بھی اپنے باپ کی طرح علم دوست تھا، خلاصۃ التواریخ اس کی تصنیف ہے، جس میں امیر تیمور سے لے کر اپنے زمانہ تک کے حالات اس نے لکھے ہیں، اس کی دوسری تصنیف واردات قاسمی ہے جو نظامت بنگالہ کی تاریخ ہے۔

شیو داس لکھنوی: شیو داس نے شاہ نامہ منور کلام کے نام سے فرخ سیر (۱۱۲۴ھ) اور محمد شاہ (۱۱۳۱ھ) کے زمانہ تک کے حالات لکھے ہیں، دربار شاہی میں بہت دنوں تک یہ منشی (سکریٹری) کے عہدہ پر ممتاز رہے ہیں۔

روپ نرائن: ولد ہری رام کھتری، متوطن سیالکوٹ، اس نے ۱۱۲۹ھ میں ہندوؤں کے مقدس مقامات کے حالات و کیفیات لکھے، کتاب کا اصلی نام ''برج مہاتم'' اور تاریخی نام مخزن العرفان ہے۔

رائے چتر من قوم: قوم کایستھ سکسینہ، اس نے وزیر الممالک غازی الدین خاں کی فرمائش سے ہندوستان کی تاریخ لکھی اور اس کا نام چار گلشن رکھا، یہ کتاب چار گلشنوں پر منقسم ہے، گلشن اول بادشاہ ہند کے حال میں، گلشن دوم صوبوں کے حال میں، گلشن سوم دہلی سے چاروں طرف بڑے بڑے شہروں تک جو سڑکیں گئی ہیں، ان کی پیمائش اور ایک ایک منزل کا حال، (یہ باب اس کتاب کا سب سے اہم حصہ ہے) گلشن چہارم میں ہندو فقیروں اور جوگیوں کے حالات اور سلسلے، ۱۱۷۳ھ میں یہ کتاب تمام کو پہنچی۔

درگا داس: باپ کا نام شیو شنکر داس، سفینۂ عشرت ایک فارسی تذکرہ کا مصنف ہے، ۱۱۷۵ھ میں یہ تذکرہ تالیف پایا، عجب نہیں کہ یہ حزیںؔ کا شاگرد ہو۔

آنند روپ: ضلع نارنول (مدراس) کا ایک برہمن تھا، کھالوجی بھونسلا کے دربار میں کچھ دنوں

نوکر رہا تھا، نصیر الملک جنگ کے معاملہ میں ناگپور سے الہٰ آباد آیا، یہاں اس نے ۱۱۸۲ھ میں میزان دانش لکھی جو "جب" کے اعتبار سے چار حصوں میں منقسم ہے۔

منالال: ولد بہادر سنگھ، اس نے شاہ عالم کے دور حکومت کی تاریخ لکھی ہے، کتاب کا آغاز ۱۱۸۴ھ سے ہوتا ہے جب شاہ عالم نے الہٰ آباد سے دہلی کا رخ کیا ہے۔

رائے کیول رام: بہادر سنگھ، اس نے شاہ عالم کے دورِ حکومت کی تاریخ لکھی ہے، کتاب کا آغاز ۱۱۸۴ھ سے ہوا ہے جب شاہ عالم نے الہٰ آباد سے دہلی کا رخ کیا ہے۔

رائے کیول رام: ولد رگھناتھ داس اگروال، اطراف دلی میں قصبہ کسنا اس کا وطن تھا، ۱۱۸۴ھ میں اس نے تذکرۃ الامرا نام ایک کتاب لکھی، دیباچہ میں بیان کیا ہے کہ یہ کتاب شاہی روزنامچوں اور وقایع ناموں سے مرتب کی گئی ہے۔

دلپت رائے: مخاطب بہ راؤ دلپت سنگھ، اس کا مولد احمد آباد گجرات ہے، اس کا باپ گلاب رائے یہاں متصدی تھا، دلپت رائے عربی، فارسی، سنسکرت، پراکرت اور بھاکا زبانوں میں کامل دست گاہ رکھتا تھا، ۷۵ برس کی عمر میں جے نگر (جے پور) آیا اور مہاراجہ مادھوں سنگھ کے حکم سے ملاحت مقال لکھنی شروع کی اور ۱۱۸۱ھ میں مہاراجہ کے مرنے کے بعد اس کو تمام کیا۔

(۴)

گذشتہ اوراق میں ان ۲۷ ہندو فضلا کے نام گنائے گئے ہیں جو تاریخ کے فن میں ممتاز ہوئے ہیں، باوجود اس کے کہ معلومات سامنے نہ تھے، یہ داستان اتنی پھیلی کہ عدد سابق میں پوری نہ ہوسکی، جہاں سے یہ کہانی چھوٹی تھی وہیں سے اب پھر شروع ہوتی ہے۔

بندرابن خوش گو: قوم ویش، باشندہ متھرا، اپنے زمانہ کے مشہور اساتذۂ فن کا شرف تلمذ حاصل تھا۔ سراج الدین علی خان آرزو، مرزا عبدالقادر بیدل، محمد افضل سرخوش اور شیخ سعد اللہ گلشن کی صحبتیں

اٹھائی تھیں، نظم ونثر دونوں میں کمال حاصل تھا، سفینۂ خوشگو اور تذکرۃ المعاصرین دو تذکرے لکھ کر نواب عمدۃ الملک امیر خان کی سرکار میں پیش کیے، نواب نے قدردانی کی اور دو روپیہ روزانہ وظیفہ مقرر کیا، نواب کی وفات کے بعد ترک دنیا کر کے عظیم آباد پٹنہ میں اقامت اختیار کی، ۱۱۷۰ھ میں وفات پائی، کتب خانہ بانکی پور میں اس تذکرہ کا جو نسخہ ہے وہ علامہ آزاد بلگرامی کا مملوکہ ہے اور انہیں کی فرمائش سے ۱۱۸۳ھ میں نقل کیا گیا ہے، گل رعنا کے مؤلف نے اس تذکرہ سے فائدہ اٹھایا ہے۔

پنڈت کرشنا نند: پنڈت آنند کہن کا بیٹا تھا، اس نے تاریخ شاہان ہند کے نام سے ایک کتاب لکھی، اس کا متعین زمانہ نہیں معلوم لیکن ۱۸۰۳ء یعنی تقریباً ۱۲۱۷ھ میں موجود تھا۔

بدھ سنگھ: قوم کھتری، اس نے سکھ فرقہ کی تاریخ ۱۱۷۸ھ سے اپنے زمانہ تک لکھی ہے، اس کو اس کتاب کی تالیف میں لالہ عجائب سنگھ سے بہت مدد ملی، کتاب کا نام رسالہ نانک شاہ ہے، سن تالیف معلوم نہیں۔

شیو پرشاد: نواب فیض اللہ خان روہیلہ کی سرکار میں نوکر تھا، ۱۱۹۲ھ میں اس نے تاریخ فیض بخش کے نام سے روہیلہ پٹھانوں کی تاریخ لکھی۔

مکند رائے: اس نے راجہ ہولکر کے سیاسی خطوط کا فارسی میں ترجمہ کیا، ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے، خط ہولکر نام ہے ۱۱۹۰ھ سن تالیف ہے۔

موہن لعل انیس: ولد رائے تولا رام قانون گو، قوم کایستھ، باشندۂ لکھنؤ، فارسی شاعری میں مرزا فاخر مکینؔ کا شاگرد تھا، انیس الاحباء کے نام سے ۱۱۹۳ھ میں اس نے مرزا مکینؔ اور ان کے تلامذہ کا ایک دلچسپ تذکرہ لکھا، اس تذکرہ میں مرزا مکینؔ کے چھ ہندو شاگردوں کے بھی حالات ہیں۔

ہرنام سنگھ: ولد گورداس سنگھ، ملانوہ نواح لکھنؤ کا باشندہ سرسوتی برہمن تھا بچپن سے عین الدین خان حاکم بریلی کے زیر سایہ رہا، تاریخ سعادت جاوید اس کی بہترین یادگار ہے، عین الدین خان کا زمانہ حکومت بریلی ۱۱۹۵ھ سے ۱۱۹۹ھ تک ہے۔

رنچھور جی: ولد امر جی دیوان، رنچھور جی نے ۱۸۲۴ء مطابق ۱۲۳۸ھ میں تاریخ سورت لکھی، اس میں جونا گڑھ اور ناگر قوم کے حالات درج کئے ہیں۔

لچھمی نرائن شفیق: لاہور وطن تھا، اس کا دادا عالمگیر کے ساتھ مہم دکن میں گیا تھا اور اورنگ آباد دکن میں سکونت اختیار کر لی، اس کا باپ رائے منسارام نواب آصف جاہ کا دیوان تھا، لچھمی نرائن شفیق ان ہندو فضلا میں سے ہے جن کی قابلیت اور علم پر زمانہ فخر کر سکتا ہے، علامہ آزاد بلگرامی کا شاگرد اور عالی جاہ بہادر کے سلک ملازمین میں داخل تھا، تاریخ کا ذوق استاد آزاد سے وراثت میں پایا تھا، چنانچہ اس فن میں اس کی متعدد تالیفات ہیں، گل رعنا اور شام غریباں دو شعرا کے تذکرے ہیں، ۱۲۰۴ھ میں حقیقت ہائے ہندوستان لکھی، خلاصۃ الہند بھی اسی کی تصنیف ہے، تواریخ آصفی اس کی پانچویں تالیف ہے لیکن سب سے بہتر اور عمدہ تر تصنیف بساط الغنائم ہے جس میں اس نے مرہٹوں کی تاریخ قلم بند کی ہے۔

ہر سکھ رائے: جیون داس کا بیٹا اور بسنت رائے کا پوتا، قوم کھتری وطن لاہور، اس نے اپنے ماموں سری نرائن کے مشورہ سے ۱۲۱۴ھ میں مجمع الاخبار لکھنی شروع کی اور ۱۲۲۰ھ میں اس کو اختتام کو پہنچایا، اس سے چند سال پیش تر ۱۲۱۱ھ میں زبدۃ القوانین نام ایک نہایت کارآمد اور پر معلومات کتاب لکھ چکا تھا اس کا ذکر آگے آئے گا۔

منشی منالال: ولد منشی بہادر سنگھ، دفتر خالصہ شاہی کے منشی تھے، شاہ عالم کے روزنامچہ لکھنے پر مامور تھے، یہ روزنامچۂ شاہی، کتب خانہ بانکی پور میں موجود ہے، اس سے منشی موصوف کی لیاقت تحریر اور قوت مشاہدہ ثابت ہوتی ہے۔ روزنامچہ کا آخری ورق شاہ عالم کے صحیفۂ حیات کے اختتام پر (۱۲۲۱ھ) تمام ہوتا ہے۔

رائے امر سنگھ خوشدل: ولد جیون رام کایستھ اصلی وطن کڑہ مانکپور تھا، نواب شجاع الدولہ کے عہد میں سرکار غازی پور کا ناظم (حاکم اعلیٰ) تھا، امر سنگھ، نہایت لائق اور فاضل تھا، تعلیم سے فارغ ہو کر مہاراجہ اجیت سنگھ راجہ بنارس کی سرکار میں نوکر ہوا اور آخر سرکار کمپنی کی طرف سے علی

گڑھ کا ناظم مقرر ہوا، اس نے تاریخ فرماں روایان ہنود لکھی ہے جو آغاز سے لے کر سلطان علاء الدین غوری کے زمانہ پر ختم ہوئی ہے، اس کی دوسری تاریخ تصنیف بزم خیال ہے جس میں خاص مشاہدات اور احوال موجودہ کی بنا پر اپنے ملک کے حالات لکھے ہیں، اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ۱۲۱۰ھ تک ساتھ ساتھ انگریزوں کے حالات بھی لکھتا گیا ہے۔ ۱۲۲۵ھ میں وفات پائی۔

دولت رائے: منشی دولت رائے کایستھ، بہاول خان المتوفی ۱۲۲۴ھ بانی ریاست بہاولپور کے مصاحب خاص تھے بہاولپور کا خاندان عباسی ہے، اس مناسبت سے مرأة دولت عباسیہ کے نام سے بہاولپور کی تاریخ لکھی، ۱۸۵۰ء میں یہ کتاب چھاپی گئی تھی۔

رائے بھگوان داس: کایستھ متخلص بہ ہندی، ولد دلپت داس، ساکن کالپی، تعلیم وتربیت لکھنؤ میں ہوئی، مولوی سید یوسف سہارنپوری سے تحصیل علم کی، نواب آصف الدولہ کی سرکار میں معزز عہدہ پر ممتاز ہوئے، پھر معتمد الدولہ مہاراجہ ٹکیت رائے دیوانِ شاہ اودھ کے مصاحبوں میں داخل ہوگئے، دو تذکرے ان کے علمی زندگی کی یادگار ہیں، حدیقۂ ہندی اور سفینۂ ہندی، حدیقہ میں گذشتہ شعرا اور سفینہ میں معاصرین کے حالات ہیں۔ اس کی تالیف کا زمانہ ۱۲۱۹ھ ہے۔

موہن سنگھ: موہن رائے، ہلکر کی سرکار میں ملازم تھا، عربی وفارسی علوم میں بہرۂ وافر رکھتا تھا، آقا کی فرمایش سے وقائع، ہلکر کے نام سے ماہر راؤ، ہلکر (ریاست اندور) کے حالات لکھے ۱۲۲۳ھ میں یہ کتاب ختم ہوئی۔

منشی چھترمل: ولد رائے پران چند، اس کی سب سے نادر تصنیف تو دیوان پسند ہے جس میں مالیات ہند پر اس نے بحث کی ہے لیکن اس کی تاریخی تصنیف عمارت اکبر ہے، نام سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبرالہ آباد کی عمارتوں کا حال ہوگا، اس کی پہلی تصنیف ۱۲۲۵ھ کی لکھی ہوئی ہے، اس سے زمانہ معلوم ہوسکتا ہے۔

بساون لال شادان: بلگرام کا باشندہ امیر الدولہ محمد امیر خان کے دربار میں نائب میر منشی تھا اور

اسی کے حکم سے ۱۲۴۰ھ میں امیر نامہ لکھی، یہ درحقیقت امیر خان کی سوانح عمری ہے۔

سندر لال کول: ولد نوبت رائے متھرا کا باشندہ دفتر خالصہ میں میر منشی تھا، ۱۲۴۱ھ میں اس نے گلِ بے خزاں لکھی جو چار ابواب پر منقسم ہے، تین پہلے ابواب میں دہلی، متھرا اور بندرابن کے حالات ہیں، اور چوتھے میں افسانہ ہے۔

منشی سدا سکھ لال: متخلص بہ نیاؔز نجف خان کے زمانہ میں یہ آگرہ کے سررشتہ دار تھے، ۱۲۳۴ھ میں ۶۵ برس کی عمر میں دلی چھوڑ کر اکبر آباد گئے تھے، مرزا قتیلؔ، میر تقی وخواجہ میر دردؔ وغیرہ کے معاصرین میں تھے، الہٰ آباد میں منتخب التواریخ نام ایک کتاب لکھی، سر ہنری الیٹ اپنی تاریخ میں اس کا حوالہ دیتا ہے۔

بہادر سنگھ: ہزاری مل کا بیٹا اور بچھی چند کا پوتا تھا، اصل وطن گو شاہجہاں آباد تھا لیکن الہٰ آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی، یہاں عربی، فارسی اور ہندی کی تاریخی کتابوں سے مواد فراہم کر کے یادگار بہادری کے نام سے تمام دنیا کی تاریخ لکھی۔ اس کا سال اختتام ۱۲۴۹ھ ہے۔

رتن سنگھ: منشی الملک فخر الدولہ دبیر الملک راجہ رتن سنگھ زخمیؔ، جائے پیدائش لکھنؤ قوم کایستھ، اس کا خاندان تین پشت سے دربار اودھ میں معزز عہدوں پر ممتاز تھا، رتن سنگھ بہت بڑا فاضل اور علامۂ وقت تھا، اس کے اصلی کمالات فلسفہ کے زیرِ عنوان ظاہر ہوں گے، اس کا دادا راجہ بھگوان داس آصف الدولہ کا ایام شاہزادگی میں اتالیق تھا اور عہد حکومت میں دیوان تھا، رتن سنگھ نے من جملہ اور تصنیفات کے سلطان التواریخ نام کتاب شاہان اودھ کی تاریخ میں لکھی۔ ۱۲۵۸ھ میں ساٹھ برس کی عمر میں یہ کتاب اس نے ختم کی۔

رام سیتا سنگھ: متخلص بہ فکرتؔ، اس نے منشی سیتل سنگھ بیخودؔ کے حالات میں حقیقت ہائے بیخود کے نام سے ایک کتاب لکھی جو ۱۸۴۸ء میں چھپ کر شائع ہوئی۔

پنڈت بشن نرائن: مؤلف نظارۃ السند، فن تاریخ میں ہے، زمانہ نہیں معلوم لیکن ایشیاٹک

سوسائٹی میں اس کا جو نسخہ ہے وہ ۱۸۵۹ء کا لکھا ہوا ہے۔

لالہ سیتل چند: آگرہ میں رہتے تھے، غدر سے بہت پہلے مدرسہ آگرہ میں مدرس تھے، انہوں نے تعریف العمارات کے نام سے نہایت محنت، کاوش اور تحقیق سے اکبر آباد، آگرہ کی ایک عمارت کا حال لکھا اور اس کے نقشے شامل کئے یہ کتاب نہایت مفید اور پُر از معلومات ہے، لالہ صاحب غدر سے بہت پہلے مدرسۂ آگرہ میں مدرس تھے۔

منشی مہتاب سنگھ: قوم کایستھ، متوطن کانپور، مؤلف تاریخ ہزارہ، اس کا قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں ہے۔

گردھاری لال: مؤلف تاریخ ظفر دکن، اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے، حال و سنہ نہیں معلوم، فلسفی کے لقب سے مشہور تھے۔

راجہ کندن لال: اپنے زمانہ کے مشہور فاضل تھے، فلسفی کے لقب سے مشہور تھے، دہلی وطن تھا، ۱۲۳۷ھ میں قسطاس لکھی، ان کی ایک تاریخی تصنیف تنقیح الاخبار ہے جس میں زیادہ تر خود اپنے حالات لکھے ہیں۔

تین اور چار دو نمبروں میں ۴۷ ہندو مؤرخوں کا تذکرہ ہوا، ان کے زمانوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ صرف ڈھائی سو برس کی مدت کے اندر پیدا ہوئے ہیں، یہ تعداد ابھی بہت کچھ بڑھ سکتی ہے، کیوں کہ ہندوستان کے سیکڑوں ہزاروں ذاتی کتب خانوں کے معلومات حاصل کرنے کے ذرائع ہمارے پاس نہیں ہیں، بہت سی ایسی کتابیں ہیں جو جاہل خاندانوں کی غفلت کی نذر ہو گئی ہیں، تاہم اتنی مختصر تعداد سے بھی ہم کو تسلی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس اسکولوں اور کالجوں کے عہد میں سوا سو برس کے اندر انگریزی کے ہندو مؤرخین اتنے بھی پیدا نہ ہو سکے۔

پھر اس نکتہ کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئے، آج انگریزی تاریخ کچھ کتابیں جو بنگالی یا دکنی

برہمن مصنفوں کے قلم سے نکلی ہیں، وہ صرف یونیورسیٹوں کے سہارے پر لکھی گئی ہیں، کہ وہ کورس میں داخل ہوسکیں اور ان سے کچھ تاجرانہ منافع حاصل ہو لیکن گذشتہ شاہی زمانہ کے مصنفوں کی یہ حالت نہ تھی، ان کا محرک یا محض شوق علمی تھا اور سلاطین اور امرائے ملک کی قدر شناسی۔

دوسرا نکتہ یہ کہ بایں ہمہ آج کل تاریخ کی جو کتابیں ہندوستانیوں نے لکھی ہیں یا لکھی جارہی ہیں وہ زیادہ تر کتابوں کی ورق گردانی اور اگلے مصنفوں کی دانائی کے ساتھ نقل صوت ہے، وہ صحیفۂ فطرت کے مطالعہ کے بعد نہیں، بلکہ محض کتب خانوں کی الماریوں کی تلاش کے بعد لکھے گئے ہیں، وہ دنیا کی وسیع فضا میں چل پھر کر نہیں بلکہ بلند ایوان لائبریریوں کے قید خانوں میں بیٹھ کر ترتیب پائی ہیں، اپنی آنکھوں سے مشاہدۂ حقائق اور استنباط نتائج کی بنا پر نہیں لکھی گئی ہیں بلکہ صرف اپنی دماغی محنت وکاوش اور کتابی تلاش وتفحص کی مدد سے، لیکن جن اگلے ہندو مؤرخوں کا ہم نے تذکرہ کیا ہے ان کی تصنیفات زیادہ تر مشاہدۂ فطرت، معائنہ حقیقت اور مطالعۂ واقعات کے نتیجے ہیں۔

ان مصنفین کے حالات پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ان میں زیادہ تر ایسے تھے جو شاہی دفاتر کے ذمہ دار افسر تھے، ان میں بہت سے دفتر شاہی کے منشی، وقائع نویس اور دیوان تھے، ان کی نگاہ سے سلطنت کا کوئی راز چھپا نہ تھا، سیاسی، انتظامی اور مالی ایک ایک جزئی واقعہ پر ان کو عبور تھا، اسی لئے وہ جو کچھ دیکھتے تھے وہی لکھتے تھے اور یہی سبب ہے کہ ان کو اپنے تاریخی اوراق کے مرتب کرنے کا سب سے بہتر موقع ملتا تھا۔

(۵)
ہندو فارسی شعراء

محکوم قوموں کو حاکم قوم کی زبان سے استغنا نہیں ہوسکتا، مسلمانوں کے عہد حکومت میں فارسی ہندوستان کی سرکاری زبان تھی اور اب انگریزی ہے، اس زمانہ کے طرز حکومت کے لحاظ سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ فارسی زبان کے سیکھنے کے لئے محکوم قوم کو کبھی مجبور نہیں کیا گیا اور آج

جس معاش کی مجبوری نے ہم کو انگریزی پڑھنی پڑتی ہے کل بھی یہی حالت تھی، بہرحال کسی سبب سے بھی ہو سکندر لودھی کے زمانہ سے ہندوؤں کو فارسی کی جانب توجہ ہوئی اور اس میں اس درجہ انہوں ترقی کی کہ ایک انگریز مؤرخ کے بقول ''ہندوؤں اور مسلمانوں میں فارسی زبان دانی میں کوئی فرق نہیں رہا (۴۴)''۔

آج بھی انگریزی تعلیم اسی سرعت اور تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے جہاں تک گذشتہ اور موجودہ زمانہ کے مقابلہ سے ثابت ہوتا ہے، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بایں ہمہ نظم واہتمام، جدوجہد، سعی وکوشش اور زرپاشی واسراف جدید تعلیم کا وہ نتیجہ نہیں پیدا ہوا جو پہلے پیدا ہوا، یہ ممکن ہے کہ مکتب اور تعداد کے لحاظ سے آج کل کی سرکاری زبان کے جاننے والے زیادہ ہوں لیکن کیفیت اور اثر کے لحاظ سے گذشتہ تعلیم زیادہ مفید، کارآمد اور مؤثر تھی، اس کے اسباب میرے خیال میں حسب ذیل ہیں:

۱۔ تعلیم مفت تھی، صرف طلب نہ تھی۔

۲۔ اساتذہ شفیق باپ اور مرشد کی حیثیت رکھتے تھے، آج کل کی طرح ''اجرت گیر اور پیشہ ور معلمین'' نہ تھے۔

۳۔ زبان تعلیم سے نہیں بلکہ اہل زبان کی صحبت اور مجلس سے حاصل ہوتی ہے۔

اس زمانہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی معاشرت، صحبت اور سوسائٹی میں کوئی امتیاز نہ تھا، روز وشب کی صحبتیں رہتی تھیں، مجلسیں تھیں ایک سوسائٹی تھی، نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کو فارسی زبان باتوں باتوں میں آجاتی تھی، اسی کا یہ اثر ہے کہ اب تک اسکولوں اور کالجوں میں ہندو طلبہ فارسی کو سہل وآسان سمجھ کر اختیار کرتے ہیں اور سنسکرت کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دیتے ہیں، گو رفتہ رفتہ قومی تعصب کا رنگ اب تعلیمی تفریق وامتیاز بھی پیدا کرتا جاتا ہے۔

بہرحال یہ واقعہ ہے جس کی کوئی تکذیب کی جرأت نہیں کرسکتا کہ ادبی حیثیت سے فارسی

تعلیم نے ہندوؤں پر جو اثر ڈالا وہ انگریزی تعلیم بایں ہمہ ہمہ گیری نہ ڈال سکی، سوڈیڑھ سو برس کے عرصہ میں کتنے ایسے انگریزی کے باکمال شاعر گذرے ہیں جن کا نام تاریخ کے صفحات میں زندگی حاصل کرسکا ہے یا کرے گا، جو نام کے سامنے ہیں ان کی تعداد ۵ یا ۶ سے زیادہ نہیں اور یہ بھی زیادہ ہے لیکن دیکھو کہ صرف تیموریوں کے آخر زمانہ میں صرف دوڈھائی سو برس کے اندر فارسی زبان کے کتنے ایسے ہندو شعرا گذرے جن کے نام اب تک ہمارے تاریخی تذکروں کے فخر ومباہات کے باعث ہیں جن کے اشعار کو سن کر اہل زبان سر دھنتے تھے اور مزے لیتے تھے، آج انگریزی کے دو تین ہندوستانی شاعر جن کی اہل زبان نے کچھ تعریفیں کردی ہیں، یا ان کو کوئی انعام مل گیا ہے، فرنگی مدح وستائش کے گیت گاتے گاتے ہماری زبانیں خشک ہوگئی ہیں لیکن ذرا اپنے اسلاف کو دیکھو کہ ان کے کیا کارنامے تھے؟ میں نے چند فارسی تذکروں کو سامنے رکھ کر حسب ذیل اشخاص کا انتخاب کیا ہے، ان کی ترتیب زمانہ اور دور پر نہیں بلکہ حروف تہجی پر ہے، ان میں سے ہر ایک نے سلاطین زمانہ اور ابنائے عصر سے اپنی زبان آوری کی داد آج سے بہتر طریقہ پر پائی تھی۔

اس احتیاط کی بنا پر کہ تذکرہ نویسوں کے اصلی الفاظ محفوظ رہیں اور زیادہ و نقص اور کمی وبیشی کا شبہ نہ ہو، اصل عبارت فارسی ہی اس مقام پر نقل کرنا زیادہ مناسب ہے۔

آرام: منشی ایشری داس قوم کایستھ در زمرۂ منشیان سرکار امیر الامرا نواب غضنفر جنگ رئیس فرخ آباد انسلاک داشت۔ نظم ونثر فصاحت وبلاغت مشتمل بر لطائف وصنائع وبدائع لفظی ومعنوی می نگاشت، از نثرش بعض وقائع وسوانح بنظر گذشتہ حق آنست کہ بکمال لطف وخوبی نگاشتہ، در مدح نواب عماد الملک نیز نظام الملک آصف جاہ باستیصال سورج مل جاٹ گفتہ۔

بفر کوکبۂ منشی ممالک ہند   سزد کہ باج زخوارزم وزختن گیرند
شہان زصولت آن جم وقار آصف جاہ   رکاب توسن شاہنشہ زمن گیرند

جوان وصاحب بخت جوان نظام الملک   کہ باد ہمت ازو مردم دکن گیرند
برید گردن بلوئے فتنہ ساز نخست   چنانکہ صبح سرِ شمع درلگن گیرند

آفریں: میتن لال قوم کایستھ ساکن الہ آباد، دررنگینی و مضمون آفرینی سحر کاری می نمود۔

مبارک باد مرغانِ چمن را   نوا سنجان رنگین انجمن را
کہ عید نو بہار آمد طرب جوش   نوی گل کرد دورانِ کہن را

اخلاص: کالی پرشاد قوم کایستھ متوطن حوالی لکھنؤ، مشق نظم ونثر فارسی از مولوی احسان اللہ ممتاز امامی نمود، بعد مرگش کلام منظوم ومنثور او پریشان گردید، قصیدہ در مدح محمد علی شاہ اودھ برشتۂ نظم کشیدہ، کہ بصنعت توشیخ از ہشت جا محمد علی شاہ بادشاہ زمان خلد اللہ ملکہ برآوردہ از خزانۂ شاہی ہزار روپیہ بجائزہ بُردہ۔

الفت: راجہ الفت رائے بخشی ملک اودھ، دستگاہش براصناف نظم وقصیدہ غزل ورباعی ومثنوی قومی بسکہ موزوں طبع بود۔

نیست اہل آسمان را بردرت بے اذن بار   می کند گردون طوافِ روضہ ات لیل ونہار
ہرچہ ناممکن بود آید زتو بررُوئے کار   از غبار درگہِ عرش احترامت آشکار

الفت: لالہ اجاگر قوم کایستھ عظیم آبادی است، برائے اصلاح سخن بخدمت میر محمد علیم سمرقندی می رسید۔

درآمد شام غم درسینہ حسرت نام مہمانی   زداغ دل کشیدم بے تکلف پیش او خوانی

الفتی: راجہ پیارے لال قوم کایستھ از موزونان عظیم آباد است، مثنوی نیرنگ تقدیر ودیوان اشعارش مطبوع طبائع، میر منشی بادشاہ اکبر ثانی بود، وبا ارباب کمال طریقۂ الفت وخلق مرعی می نمود۔

چوں غنچہ جز سکوت بنا شد بیان ما   پیچیدہ شد زبانِ سخن در دہان ما

اندیشۂ رسال نیامد زما درست — در دست دیگر یست چو سودوزیان ما

در دشت پر بلائے جنون نیست الغتی — جز موج ریگ واشک روان کاروان ما

امانت: لالہ امانت رام ازشاگردان مرزا بیدل و در انداز سخن سنجی بہنجار اُستاد خود مائل۔

نمی گردد باند از خاک ہم بادِ مزار ما — کہ بنشیند مبادا بردل خوبان غبار ما

شکر اللہ نقش پائے مہ جبینے یافتم — آرزوے سجدہ می کردم زمینے یافتم

اندرمن: پسر کنول رام مولدش قصبۂ اورنگ آباد از اعمال علی گڑھ، استفادۂ علم فارسی از شیخ نظام الدین سکندر آباد کردہ، درموزونی طبع سخن سنجی نام برآوردہ، ہرچند درعین جوانی نابینا شد مگر قوت حافظہ اش چنداں افزود کہ سائرنظم ونثر خودش نوک زبان بود۔

صد جلوہ در کرشمۂ آن ماہ پارہ است — ایں ماہ نوز ابروے اویک اشارہ است

انس: لال چند کایستھ لکھنوی، از دیوانے مختصر یادگار، ۱۲۶۸ھ۔

روح جمشید بردرشک بہ مے نوشیٔ ما — کہ لب یار بود مایۂ بے ہوشی ما

جاے رحم است خدارا نتواں کرد دریغ — ہست وابستۂ تیغ تو سبکدوشی ما

انیس: موہن لال شاگرد مرزا فاخر مکین، نام پدرش رائے تولا رام کایستھ صاحب دیوان فارسی۔

بدر: رائے گنگا بہادر از زمرۂ کایستھان فہمیدہ وسنجیدہ شہر لکھنؤ است، بحضور واجد علی شاہ عہدۂ سر رشتہ داری در علم سیاق وسباق سربری آزد۔

می کنم سجدۂ بتے کہ کند — ہر نفس دعوے خدائے ہا

از خم طرۂ اش معاذ اللہ — من و اندیشۂ رہائے ہا

برہمن: چندر بھان آگرہ درسرکار دارا شکوہ منشی داشت، بعد قتل دے ترک نوکری ماندہ، شہر بنارس رفت ۱۰۷۳ھ مرد۔

کنم زساسادہ دلی بند دیدہ مژگان داشت — بمشت خس نتواں بست راہ طوفان را

بہار: ٹیک چند، کلامش دل پسند، تتبع زبان فارسی بدرجہ قصویٰ رسانید، کتاب بہار عجم (لغت) وجواہر الحروف از ودست، از ارشد تلامذہ سراج الدین علی خان آرزو۔

جانب او دل بہال اضطرابم می پرد   زرہ ام طے طاقتی تا آفتابم می پرد

بہجت: مکھن لال صاحب دیوان بہجت۔

تفتہ: منشی گوہر لال تفتہ، برہمن، خیلے پر گوست کلام منظومش بسیار پنج دیوان شعر دارد، ادبیات ہر یکے ازاں قریب بیزدہ ہزار کل ۶۵ ہزار۔

چند گوئی کہ نشان نیست ز خونیں کفنان   مگر ایں لالہ کہ بینی ز شہیداں تو نیست

تمنا: مکن لال کایستھ از شکوہ آباد است، دیوان و مثنوی لیش ہمگی، ۱۵ ہزار بیت است،

ثاقب: مہاراجہ شیو پردھان جی گوپال سنگھ بہادر، از کایستھان سری باستپ است، پدرش منشی بینی پرشاد سررشتہ دار دیوان عام سلطان اودھ، بود، شیو پردھان سرکار و بار دیوانی شہزادہ صاحب جنرل فریدون قدر مرزا ہزبر علی اودھ بود، تاریخ اودھ کہ نام تاریخی اودفتر ثاقب، نسخہ تاریخ دہلی کہ نام تاریخش حقیقت تیمور یہ تالیف آں سخندان و مجموعہ نادرات الثاقب و مثنوی مخبر ہمت از منظومات آں است۔

حیا: شیورام اکبرآبادی کایستھ پدرش بھگوتی مل از متصدیان سرکار نواب اسد خان وزیر عالمگیر بادشاہ مشق شعر سخن از مرزا بیدل نمود، نسخہ گلگشت بہار ارم بطرز چہار عنصر مرزا بیدل، بہ مقتدی تمام نگاشتہ، ۱۱۴۴ھ وفات یافت۔

بیاد چشم تو داریم مے پر ستیہا   رسانداریم بگردون دماغ مستیہا

خوشدل: رائے امر سنگھ دلد جیون رام کایستھ از گڑھ مانکپور، جیون رام در سرکار وزیر الممالک نواب ابوالمنصور خان صفدر جنگ، در زمان نواب شجاع الدولہ، بہ نظامت سرکار غازی پور مامور

گردید، رائے امر سنگھ بعد تحصیل علوم وفنون اولاً در سرکار مہاراجہ اجیت سنگھ راجۂ بنارس وآخر در سرکار انگریزی بدیوان علی گڑھ کامران گشت در ۱۲۲۵ھ گذشت بہار دانش نظم ونسخہ تاریخ فرمانروایان ہنود تا سلطان علاء الدین غوری از دے یادگار است، اشعار دیوانش تخمیناً پنج ہزار است۔

گرم است بسکہ نالۂ آتش فشان ما   سوزد برنگ شمع زبان در دہان ما

خیالی: منشی خیالی رام لکھنوی، در نظم ونثر فارسی قدرتش علی درجہ الکمال، وتالیفاتش کہ زاید از یکصد واز انجملہ شرح اعجاز خسروی، در ۱۲۸۹ھ بگذشت، قصیدۂ در مدح واجد علی شاہ وصفت نور منزل نوشتہ کہ از حروف اوائل مصاریع اولی سنہ ہجری واز حروف اوائل الفاظ آخر سنہ فصلی واز مصاریع ثانیہ سنہ عیسوی وسمت ہندی۔

خاموش: رام صاحب المتوفی ۱۲۲۹ھ اس کے فارسی دیوان کا قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں ہے۔

راقم: بختاور سنگھ لکھنوی، بشیرین گفتاری از ممتازان گروہ ہند، پسرش جواہر سنگھ جوہر از پدر خود خوشگو۔

رحمتی: کنور سکھراج سنگھ بہادر، خلف کنور ہیرا لال ضمیر، پسر راجہ پیارے لال الفتی۔

گر بہ حجرش دل سودا زدہ غمناک شود   جامۂ صبر زبیتابی من چاک شود

رفعت: سیکو لال لکھنوی، طبعش بشعر سخن مائل ومشق ایں فن از مولوی نذیر احمدی نمود۔

رفیق: داتا رام، طبعش باموزوں توام ولب ولہجہ اش باخوش بیانی ہمدم:

نگار من برخ خویش چوں نقاب گرفت   فتادہ شور کہ امروز آفتاب گرفت

رونق: منشی رام سہائے لکھنوی نظم وشعر فارسی بلطافت می نوشت، ۱۲۹۰ھ وفات، دیوان شعر ومثنویات از وے یادگار، غزلے نوشتہ در چہار بحر۔

راز: منشی میدہ لال در شہر لکھنؤ در نظم ونثر فارسی شاگردانش بسیار دیوان فارسی ورسائل عروض معنی

و بحر العلوم و ہفت صحیفہ بطرز پنج رقعہ، و نادر بازار بر تتبع مینا بازار و جاوید بہار۔

سبقت: سکھراج پدرش بملازمت عمدۃ الملک بہادر وزیر بادشاہ عالمگیر معزز است از مستعدان روزگار بود و در علوم ادبیہ و حکمیہ و حساب و طب و تصوف از اقران گوئے سبقت می برد با نواع نظم و معما و تاریخ قدرت داشت شاگرد بیدل، در سرکار سید حسین علی خان کا دیوانی و میر سامانی سرانجام دادہ بہ منصب پانصدی رسیدہ جنگ نامہ حسین علی خان قریب ہفت صد اشعار از وے یادگار۔

سروری: رائے بنسی دھر نواسہ بخشی الممالک راجہ لال جی بہادر نظم و نثر فارسی را پیش مولوی احسان اللہ بہ مشق رسانید:

نام بمعنی و سخن امروز سروری ست مداح آل سرور و شیدائے سرورم

شاداں: مہاراجہ چندو لال دیوان دولت آصفیہ حیدرآباد بزم مستجمع اہل کمال مطلع ارباب سخن در ہر شب مجلس شعر و سخن برپا می ساخت در فن شعر پایۂ بلند داشت۔ فارسی دیوان چھپ گیا ہے، یہ مہاراجہ کشن پرشاد کے پردادا تھے، ۱۲۵۴ھ میں وفات پائی۔

شفیق: منشی لچھمی نرائن کھتری اورنگ آباد شاگرد مرزا آزاد، دو تذکرہ شعراء دارد، گل رعنا و شام غریباں صاف گو خوش بندش است، رصلش از لاہور است پدرش بھوانی داس ہمراہ عالمگیر وارد دکن گردید در اورنگ آباد سکونت گزید، شفیق در سلک ملازمان عالیجاہ خلف نواب نظام علی خاں منتظم گردید، در ۱۲۰۰ھ مرد۔

شوق: منشی دولت رائے نبیرۂ راجہ بھولا ناتھ از زمرۂ منشیان بیت الانشاء شاہی اودھ ممتاز قصیدۂ بلیغہ گفتہ، در صنعت عکس و تجنیس دروی گفت، بہ ہمراہی شاہ واجد علی مع اہل و عیال کلکتہ بیامد ۱۲۷۰ھ مرد۔

از حسن فروغ از در حسن تو جہان را داغ تو چراغ است دل پیر و جوان را

شہر: لالہ بالمکند مانکپوری در ۱۲۵۰ھ بگذشت، طبع نکتہ سنجی و نظم گوئی داشتہ۔

مکن اشک مرا بقند رائے مژگان تر رحمے بریں طفل غذا پروردۂ خون جگر رحمے

صاحب رام: سخن سنج فارسی در تاریخ گوئی ملکہ داشت، در عہد سلطنت غازی الدین حیدر علم شہرت می افراشت، در تاریخ وفات غازی الدین حیدر بادشاہ کہ در مقام نجف شہر لکھنؤ مدفون است می گوید۔

چون رفت شہ زمن زدنیا ماتم دل خاص وعام بگرفت
از روئے بکاء و آہ گفتم حیدر بہ نجف مقام بگرفت

۱۲۴۳ھ

ضیائی: راجہ گوبند بخش ضیائی، المتوفی ۱۲۲۵ھ ان کا نہایت عمدہ فارسی دیوان کتب خانہ آصفیہ میں ہے۔

عشرت: جے کشن از براہمۂ کشمیر در سخن طرازی سلیقہ اش نیکو، مدتے بملازمت نواب نجم الدولہ امیر خان، دیوان خالصۂ شریفہ بقانون گوئی تمام خطۂ کشمیر سرافراز۔

دشت از لالہ بسکہ رنگین است پائے دیوانہ، دست گل چین است

گلشن: راجہ جیالال بہادر کوش فکر صاحب دیوان، بدیوان انشاء ابوالفتح محمد علی شاہ اودھ سر دفتر نشیان۔

گلشن: رائے گلاب رائے سندیلوی، شاگرد قتیل، درریاست اودھ ھعہد عہد ہائے جلیلہ، در استعداد علمی بیعدیل، درفنون سپہ گری فاقد المثال، تذکرۂ شعراء ضخیم ودیوانے جسیم یادگار:

آنکس کہ از زبان تو حرف جفا شنید گویا پیامِ خضر زآب بقا شنید

مشتاق: لالہ بیجناتھ بریلوی۔

مطیع: لالہ رام بخش قنوجی۔

ممتاز: لالہ سیتل داس درنازک خیالی ممتاز، بلب ولہجہ اہل زبان پرداز بود۔

منشی: منشی مادھورام شاہجہان آبادی، درسرکار نواب لطف اللہ خان بن سعد اللہ خان شاہجہانی بعہدۂ انشاء امتیاز داشت، رفتہ رفتہ امیر الانشاء معزالدین جہاندار بن بہادر شاہ مشرف۔

نمی رسد بمیان صنم زباریکی ہزار بار بدقت شگافتم مورا

نشی: لالہ فتح چند برہانپوری کایستھ طبع نظم دارد وخوشگواست۔

نیست آسائش بمنزل جان از خود رستہ را ہر قدم دام است نقش پا شکار جستہ را

بسکہ از شرم تو در پرواز رنگِ گلشن است رشتۂ نظارہ بندہ در ہوا گلدستہ را

منوہر: رائے منوہر لال از امرائے سلطنت اکبر بادشاہ است، طبع متین ورائے رزین داشت، رباعی:

روز یکہ سموم حشر افزون گردد در آتشِ غم چو چہرۂ گلگون گردد

مادر دوزخ چنان بذوقے سوزم کز رشک دل بہشتیان خون گردد

موجد: سکھن لال بدایونی:

چہ شکیم چہ کنم چوں نزنم سر بر سنگ مدتے شد کہ ز جانان خبرے پیدا نیست

موجد: لالہ کالکا پرشاد لکھنوی، موزونیِ طبع ورسائی ذہن امتیاز داشت وخط نستعلیق خوشتر وشیرین می نگاشت باصطلاحات ومحاورات زبان فارسی بخوبی ماہر:

رسائی نیست تا سر منزلِ او کفر وایمان را کہ دیر وکعبہ، سنگ رہ بود گبر ومسلمان را

موجی: لالہ موجی رام۔

موزون: راجہ رام نرائن عظیم آبادی، پدرش بدیوانی سرکار نواب مہابت جنگ عزت داشت، بعد ہ بایں عہدۂ موروثی رسید، در جنگ پا مردی نہاد، دیوان اشعارش، شاگرد شیخ محمد علی حزیںؔ ۱۱۷۰ھ۔

موزون: راجہ مدن سنگھ اٹاوی، پدرش راجہ جگت سنگھ دست توسل بدامن دولت نواب غازی الدین خان آویخت، وبمنصب سہ ہزاری وبخطاب راجگی، وبعہدہ دیوانی نواب ممدوح، مدن سنگھ درسرکار نواب آصف جاہ دکن مستوفی الممالک بود ودر عہد ناصر جنگ منصب دوہزاری وعلم ونقارہ وخطاب راجگی یافت ومعمور بحراست قلعہ مصطفےٰ نگر گردید، تا آنکہ افواج انگریزی محاصرہ ویورش بر آن قلعہ نمود راجہ نتوانست پائے برجاماند، بسدمہ تقل بعمر ۵۰ سال ۱۱۷۹ھ جان ودر نظم ونثر فارسی استعدادے نیکوداشت:

کرد گلشن جلوۂ رنگین یار آئینہ را می رسد عرضِ قدم بوس از بہار آئینہ را

نقاد: پنڈت جے گوپال کشمیری از آشنایان قاضی محمد صادق اختر بودہ، شاگرد قتیل۔

وامق: کھتری بود بہ برکت صحبت مولوی عبداللہ بن عبدالحکیم سیالکوٹی مشرف باسلام شدہ محمد اخلاص خاں مخاطب گردید، و بملازمت اورنگ زیب رسید و بوکالت بعضے از امراء می شناخت، نظم ونثر فارسی چنان خوب تری نوشت کہ اورنگ زیب زبان باحسنت وآفرین می کشود، در جوانی میل بشعر وشاعری داشت بعدازاں بافادۂ علوم وفنون، طبیعت گماشت ۱۱۴۳ھ مرد۔

محتسب مے کشی از دست تو مشکل شدہ است شیشۂ مے بہ بغل آبلۂ دل شدہ است

وفا: پنڈت دیاناتھ ولد مست رام کشمیری شاگرد مرزا علی اکبر عارف شیرازی می نمود۔

وقار: مدیرالدولہ منشی الملک راجہ جوالا پرشاد بہادر جنگ، امیر الانشاء امجد علی وواجد علی شاہان اودھ باوجود چندین اقتدار حرف در شتے نسبت کسے نگفتہ، درنظم ونثر فارسی صاحب استعداد است، دیوانش مطبوع۔

ہندو: شیو سنگھ لکھنوی۔

ہندو: گوکل چند قوم کھتری فرخ آبادی۔

(۶)

ہندو ادبائے فارسی

ہندو ادبائے فارسی اس کثرت سے گذرے ہیں کہ ان کا شمار بھی حیطۂ امکان سے باہر ہے۔ ان میں بہت سے اچھے لکھنے والے انشا پرداز تھے اور ایسے بھی جو محض دفتری ضرورت کے مطابق اس زبان میں نوشت وخواند کر سکتے تھے، ہندوؤں کے دوسرے فرقوں کی بہ نسبت کایستھ ذات نے فارسی زبان کی تحصیل میں کثرت تعداد کے لحاظ سے زیادہ نام وری حاصل کی لیکن اصل

زبان دانی اور جوہر سخن کے لحاظ سے برہمنوں نے زیادہ کمال پیدا کیا، خصوصاً آخر زمانہ میں کشمیری برہمنوں نے جس طرح آج کل بنگالیوں کی انگریزی زبان کو ''بابو انگریزی'' کہتے ہیں، اسی طرح مسلمانوں کے عہد حکومت میں ''کایستھوں کی فارسی'' اور ''لالاؤں کی فارسی'' مشہور تھی۔

دفاتر میں زیادہ تر ہندو ہوتے تھے، محکمۂ انشاء (سکریٹریٹ) اور مال کے صیغے تمام تر ہندوؤں کے ہاتھ میں تھے، آخر زمانہ میں انشاء کے اعلیٰ افسر بھی ہندو ہونے لگے تھے، جن کو عموماً میر منشی اور ازروئے خطاب منشی الممالک کہتے تھے، ان عہدوں پر جو ہندو سرفراز ہوتے تھے، وہ فارسی زبان کے لائق ادیب ہوتے تھے، بادشاہ کی طرف سے ہر قسم کے احکام وفرامین انہیں کی زبان وقلم سے ادا ہوتے تھے، وقائع نویسی کی خدمت پر بھی زیادہ تر مامور ہوتے تھے۔

ہندو ادبا کے یہ فرامین منشآت اور رقعات جب زیادہ جمع ہوجاتے تھے اور ان کی مقبولیت عام ہوجاتی تھی تو وہ بطور کتاب کی یکجا جمع کردیئے جاتے تھے، ان میں سے بعض مجموعے اس درجہ مقبول وہر دلعزیز ہوتے تھے کہ وہ طالب علموں کے نصاب تعلیم میں داخل کرلئے جاتے تھے، چنانچہ منشآت برہمن، انشائے مادھورام، منشآت جواہر مل خطاط، خیالات نادر، دستور الصبیان وغیرہ اسی قسم کی کتابیں ہیں۔

اس واقعہ کا بہ تکرار کئی دفعہ گذر ہوچکا ہے کہ ہندوؤں نے فارسی تعلیم لودھیوں کے زمانہ سے شروع کی چنانچہ فارسی کا سب سے پہلا ہندو ادیب بھی اسی زمانہ میں ہم کو ملتا ہے:

پنڈت ڈونگرمل: ایک بزرگ لکھتے ہیں کہ پنڈت ڈونگرمل سکندر لودھی کے زمانہ میں تھے ان کی فارسی زبان دانی پر مسلمان بھی تعجب کرتے تھے، کبھی کبھی فارسی شعر بھی کہتے تھے، چنانچہ ان کا یہ ایک شعر ارباب تذکرہ نقل کرتے ہیں:

دل خون نشدے چشم تو خنجر نشدے گر ره گم نشدے زلف تو اختر نشدے گر

ٹوڈرمل: کھتری تھا، شیر شاہ کے عہد میں فارسی تعلیم حاصل کی اور دربار تک رسائی پائی، شیر شاہی کاروبار کے انقلاب کے بعد اکبری نورتن میں شامل ہوا جہاں مال کا صیغہ اس کے ہاتھ آیا، ٹوڈرمل

فارسی کا خوش خط کاتب بھی تھا، تذکرۂ خوش نویسان میں ہے۔

''نویسندۂ چابکدست وخطوط بخوشخطی ونمکی می نوشت''

اس عہد کے دیگر ادبا کا تذکرہ اس لئے قلم انداز کرتے ہیں کہ ان کا ذکر دوسرے سلسلوں میں آچکا ہے۔

رائے منوہر لال: رائے لون کرن کا خلف الرشید تھا، شہزادہ سلیم (جہانگیر) کے آغوش تربیت میں پل کر جوان ہوا اور فارسی زبان میں یہ سلیقہ پیدا کیا کہ اہل تذکرہ اس کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہیں۔

چندر بھان برہمن: اس کا ذکر بھی پہلے گذر چکا ہے، یہ عہد شاہجہانی کا سب سے بڑا ہندو ادیب تھا، یہ پنجابی برہمن تھا لاہور میں پیدا ہوا تھا، ملا عبدالکریم کی شاگردی میں اس نے فضل وکمال کے نشو ونما حاصل کیا تھا، فارسی زبان کا شاعر تھا اور برہمن تخلص کرتا تھا، اس کا فارسی دیوان اب تک کتب خانہ میں موجود ہے فارسی ادب میں بڑی دست گاہ حاصل کی تھی، افضل خان امیر الامرائے شاہجہانی نے اس کی لیاقت وقابلیت کو دیکھ کر اس کو اپنا منشی خاص (پرائیوٹ سکریٹری) بنایا۔ ۱۰۴۸ھ میں افضل خاں نے وفات پائی وہ دربار شاہی کے سلک ملازمین میں داخل ہوا اور دربار شاہجہانی کا وقایع نویس یعنی شاہی تاریخ وروز نامچہ کا چیف اڈیٹر مقرر رہا، اس عہدۂ جلیلہ کے باعث وہ روزانہ بارگاہ شاہی میں حاضر ہوکر ہر روز کے مرتبہ واقعات وحالات سناتا تھا ۱۰۵۵ھ میں چندر بھان نے چہار چمن برہمن لکھ کر نوروز کے موقع پر سرہند میں دربار شاہجہانی میں نذر گذرانی، اس کی لیاقت وادب دانی کو دیکھ کر شہزادہ داراشکوہ نے جو خاص طور پر ہندوؤں کے جوہر کمال کا قدردان تھا اس کو اپنے اعیان دربار میں داخل کرلیا اور اپنا میر منشی (چیف سکریٹری) مقرر کیا، داراشکوہ کی تباہی کے بعد حوادث زمانہ سے تنگ آکر بنارس میں گوشہ گزین ہوگیا اور یہیں ۱۰۷۳ھ میں راہی عدم ہوا، تذکرۂ عمل صالح کا مصنف اس کو اپنے زمانہ کے فضلائے ادب میں شمار کرتا ہے اس نے اپنے رقعات ومنشآت کا مجموعہ بھی فراہم کیا، اس کا نام منشآتِ برہمن ہے،

خوشخطی میں آقا عبدالرشید کا شاگرد تھا۔

ہرکرن داس: ولد متھرا داس، قوم کنبوہ، باشندۂ ملتان، ۱۰۳۱ھ میں زندہ تھا، فارسی علم ادب میں جو دستگاہ اس نے حاصل کی تھی اس کی شہادت یہ ہے کہ وہ امرائے جہانگیری میں سے اعتبار خان صوبہ دار اکبرآباد کا میر منشی تھا، انشائے ہرکرن کے نام سے اس نے فارسی ادب کی ایک کتاب لکھی تھی جو اب تک بعض کتب خانوں میں موجود ہے۔

وامق کھتری: امرائے عالمگیری میں سے ایک کا وکیل (ایجنٹ) تھا، اس کے نظم و نثر اور ادب فارسی کی یہ دھوم تھی کہ شہنشاہ عالمگیر جو خود ایک بلند پایہ ادیب تھا، احسنت و آفرین کہتا تھا۔

شیورام کایستھ: اکبرآباد کا باشندہ تھا، اس کا باپ نواب اسد خان وزیر عالمگیر کا متصدی تھا، مرزا بیدلؔ کا شاگرد تھا، مرزا کی چہار عنصر کا جواب گلگشت بہار ارم کے نام سے اس نے لکھا تھا، ۱۱۴۴ھ میں وفات پائی۔

کنور پریم کشور: راجہ جگل کشور کا پوتا، شاعر لطیفہ گو، سخن فہم، خوشنویس تھا، چند مثنویوں کا مصنف ہے۔

منشی لچھمن سنگھ: قوم کے بقال تھے، نہایت ہوش مند، عاقل اور عربی و فارسی کے ادیب تھے، ایرانیوں کی صحبتیں اٹھائی تھیں اور مشہور ایرانی انشا پردازوں کے طرز پر لکھتے تھے، صاحب تذکرۂ خوش نویساں لکھتا ہے:

"مرد دانا قابل، در علم و ہنر فارسی و عربی و عبارت پردازی خیلے مہارت داشت دور صحبت مرزایانِ ایران بسیار ماندہ دل و دماغ دیگر پیدا کردہ، وطور انشاء بردیۂ طاہر وحید، وطاہر دکنی وجلالا اختیار کردہ"۔

خوشخطی میں محمد حفیظ خان کے، شفیعہ میں مرزا آغا کے، شاعری میں میر شمس الدین فقیر (المتوفی ۱۱۸۰ھ) کے شاگرد تھے، شعلۂ آہ وغیرہ ان کی تصنیفات ہیں، ظہوریؔ کے اشعار ان کی نوک زبان رہتے تھے۔

پنڈت لالہ لچھمی رام: ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خان (المتوفی ۱۱۹۶ھ) جو شاہ عالم کا وزیر تھا، اس کی سرکار میں یہ ملازم تھا، تذکرہ مذکور کا مصنف ان کی نسبت لکھتا ہے۔

"منشی بے نظیر بود، در علم عربی و فارسی و انشا پردازی و مصوری نصیب وافر داشت، این چنین انسان باسلیقہ و صاحب کمال کم پیدا می شود"۔

خوشوقت رائے شاداب: کھتری، یہ ایک مشہور اور معزز خاندان کا فرزند تھا، بچپن ہی سے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا، آخر اس درجہ کمال حاصل کیا کہ اپنے زمانہ کے کبار علماء میں سمجھا جانے لگا، تذکرۂ مذکور میں ہے:

"از ابتدائے عمر طبع را بہ تحصیل علم و ہنر راغب و مائل و در اندک زمان در جمیع علم ہنر آراستہ شد، در خصائل نیکو از ہم چشمان خود سبقت بُردہ در خوش نویسی کمال داشت، این چنین شخص درایں قوم صاحب استعداد و فیاض و قدر شناس کم شدہ باشد"۔

رائے پریم ناتھ: اس کا خاندان ایک مدت سے شاہی دفتر کا عہدہ دار چلا آتا تھا، یہ خود شاہ عالم کے سرکاری دفتر کا مالک الکل تھا، خوشخطی و ادب دانی میں اپنے زمانہ کا استاد یگانہ تھا، شاگردوں کا بڑا مجمع اس نے یادگار چھوڑا۔

سکھ رام داس: ولد نیل کنٹھ، زمانہ متعین نہیں، آمدنامۂ بدیع اس کی ایک تصنیف ہے، دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اطراف لکھنؤ کا باشندہ تھا اور عہد شاہی میں قانون گوئی کے عہدہ پر مامور تھا۔

نیہ نرائن: ولد چین رائے، قوم کھتری، عرف سودہی، پنجاب کا رہنے والا تھا، فرخ سیر کے عہد میں محکم سنگھ اس کو منشی (سکریٹری) کے عہدہ پر سرفراز کر کے اپنے ساتھ ماڑواڑ لے گیا، اثنائے سفر میں اس کو محمد طاہر کشمیری کی کتاب "ہوش افزا" ملی اس نے اس کو بغور پڑھا اور اس کی بنا پر اس کو قدیم ہندو عہد کے عجائبات اور مذہبی معجزانہ قصص کو فارسی زبان میں لکھنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ رامائن، مہابھارت بھاگوت، ہری بنس وغیرہ سے انتخاب کر کے ۱۱۲۵ھ سے گلشن اسرار ربانی کے نام سے

ایک کتاب لکھنی شروع کی، جو ۱۱۴۴ھ میں اختتام کو پہنچی۔

منشی موہن لال منعم: اکبر ثانی کے عہد میں تھے، ان کی تین مثنویاں مثنویات منعم کے نام سے فارسی میں موجود ہیں، بہ ترتیب ان کا نام بہار عشق، شاہ رخ اور دلبر جہاں ہے اور غالباً یہ تینوں افسانے ہیں، شاہ رخ اور دلبر جہاں کو اس نے اکبر ثانی کے نذر کیا تھا۔

کشن سنگھ: ولد رائے پران ناتھ کھتری قوم منکل ساکن سیالکوٹ، یہ فارسی زبان کا ایک چابکدست انشا پرداز تھا، پنجکر وشی اور غریب الانشا، وغیرہ کتابوں کا مصنف ہے، غریب الانشاء ۱۱۵۷ھ میں اس نے لکھی۔

بنوالی داس ولی: تم اس سے ہندو مورخین کی بزم میں مل چکے ہو، اس کا ادبی کارنامہ یہ ہے کہ بھاشا زبان سے ایک "ناٹک" پرودھ چندرودیا کا فارسی زبان میں ترجمہ کرکے شراب شیراز کے متوالوں کو ہندوستان کی "رام رنگی" کا مستانہ بنایا، ۱۰۷۳ھ میں یہ موجود تھا۔

دونی چند: ۱۱۳۷ھ میں کیکو ہرنامہ کے نام سے فارسی زبان میں ایک افسانہ لکھا، دیوان غلام محمد خان جو بہادر شاہ اول کے عہد میں ایک امیر تھا اس کا مربی اور محسن تھا۔

شنبھو لال: یہ مہاراجہ چیت سنگھ والی بنارس کا منشی (سکریٹری) تھا، ۱۱۹۷ھ میں اس نے مفتاح خزائین نام کتاب لکھی، جو بہت سے خطوط کا مجموعہ ہے، جن میں سے بعض نہایت اہم ہیں۔

منشی تہواری مل تمکین: بارہویں صدی ہجری کے اوائل میں فارسی کا یہ ایک مشہور ادیب تھا، اس کے پوتے پران چند سرشاد ولد بخت مل نے اپنے دادا کے فارسی خطوط اور رقعات کو گلدستۂ فیض کے نام سے ایک رسالہ کی صورت میں مرتب کیا، یہ خطوط ۱۱۳۹ھ کے لکھے ہوئے ہیں۔

منشی بھجن رائے پوری: شجاع الدولہ کے عہد میں ۱۱۶۷ھ راجہ رائے پور کے دربار میں نوکر تھے، منشی تخلص تھا اور قلم کے بھی منشی تھے، فن انشا پر انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے، انشائے نیاز نامہ نام رکھا ہے کتاب کے تین ٹکڑے کئے ہیں: (۱) عرائض (۲) رقائم (۳) ثمرہائے متفرق۔

منشی جسونت رائے: عالمگیر ثانی کے عہد میں تھے، گلشن بہار کے نام سے انہوں نے ایک چمنِ ادب کھلایا ہے، مختلف لوگوں کے خطوط اس میں جمع کیے ہیں جن میں بکثرت سیاسی اور جنگی معلومات ہیں۔ شاعر بھی تھے، منشی تخلص کرتے تھے اور اسی نام سے ایک دیوان فارسی بھی چھوڑا ہے، ۱۲۰۰ھ میں تھے۔

فسارام: منشی تخلص تھا سرزمین پنجاب کے مجنون ولیلیٰ، ہیراور رانجھا کا افسانہ حسن وعشق نظم کر کے اہل فارس کو سنایا، ۱۱۵۷ھ میں یہ نغمہ سرائے محبت سرائے فانی سے کوچ کر گیا۔

عوض رائے: مسرت تخلص، قصیدہ مسرت کہہ کر شاہ عالم کے دربار میں پیش کیا، اس میں کمال یہ کیا کہ ہر شعر میں بادشاہ کو نئے طور سے خطاب کیا ہے، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں اس کا قلمی نسخہ ہے۔

نہال چند لاہوری: یہ ایک افسانہ کا جس کا نام مذہب عشق ہے، مصنف ہے، مذہب عشق میں نام ونشان تنک ہے، اس لئے اس ادیب کے حالات نامعلوم ہیں۔

لالہ بھوپت رائے: فن بلاغت کی ایک کتاب دستور ششگرف کا مصنف، تصنیف تو حیدرآباد اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں قلمی موجود ہے لیکن صاحب تصنیف کا تذکرہ مفقود ہے، حیدرآباد کا نسخہ ۱۱۹۴ھ کا لکھا ہوا ہے۔

لالہ بھیک رائے: فیض آباد کا باشندہ تھا، اس نے سعدی کی گلستان میں پھول کھلائے یعنی اس کی شرح لکھی جو بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے۔

منشی ابشری داس: کایستھ امیر الامرا نواب غضنفر جنگ والی فرخ آباد کے منشی تھے، ایک فارسی تذکرہ کا مصنف ان کی نسبت لکھتا ہے۔

> ''نظم ونثر فارسی بہ فصاحت وبلاغت مشتمل بر لطائف وصنائع وبدائع لفظی ومعنوی می نگاشت، از نثرش بعض وقائع وسوانح بنظر گذشتہ، حق آنست کہ بکمال لطف وخوبی می نگاشت''۔

منشی ٹیک چند بہار: ان کا تذکرہ آگے آئے گا، یہاں صرف اس حیثیت سے ان کو جگہ ملتی ہے کہ یہ بوستان سعدی کے شارح اور بہار بوستان کے مصنف ہیں۔

آنند رام: زمانۂ متاخر کا ایک فارسی ادیب ہے، ۱۱۵۹ھ کے قریب میں اس دنیا سے چل بسا لیکن اس کے چمنستان کی بہار اب تک باقی ہے، یہ ایک فارسی افسانہ ہے ۱۲۹۴ھ میں یہ کتاب چھپ چکی ہے۔

ماتا پرشاد: صحیفۃ الشوق نام ایک فارسی افسانہ کا مصنف ہے، اس کا قلمی نسخہ ۱۲۸۲ھ کا لکھا ہوا کتب خانہ آصفیہ میں ہے۔

دین دیال: عجیب القصص معروف بہ شبستان عشرت ایک افسانہ فارسی زبان میں اس نے لکھا ہے، ۱۲۹۶ھ میں یہ کتاب طبع ہوئی ہے۔

امر سنگھ: رامائن امر پرکاش کے نام سے فارسی میں پاربتی، مہادیو، رام چندر جی اور راجہ دسرت کے قصوں کو نظم کر گیا۔

سیالکوٹی مل: ان کا ذکر آگے آتا ہے، یہ زمانۂ متاخر کا بہت بڑا ادیب تھا، صفات کائنات کے نام سے فارسی علم بلاغت میں اس کی ایک کتاب ہے جو ۱۲۹۵ھ میں چھپ گئی ہے، اس کی دوسری کتاب رجم الشیاطین ہے، جو سراج آرزو کی تنبیہ الغافلین کا جواب ہے، یہ دونوں کتابیں ادبی مطارحات پر مشتمل ہیں۔

بچھمی نرائن: باپ کا نام مانی رام، سراج الدین آرزو کا شاگرد تھا، لاہور اپنا وطن چھوڑ کر دلی میں آکر ڈیرے ڈالے، درانی کے حملوں نے دلی سے نکال کر بریلی اور اورنگ آباد کی سیر کراتے ہوئے لکھنؤ پہنچایا، یہ فارسی کا نامور انشا پرداز تھا، اس کے فارسی رقعے بہت مشہور ہیں، ۱۲۰۵ھ میں اس نے ان رقعوں کو ترتیب دے کر رقعات بچھمی نرائن نام رکھا۔

بچھمی نرائن: یہ حاجی پور (بہار) کا رہنے والا تھا، عالمگیر کے عہد میں شہزادہ بیدار بخت کی سرکار میں پیشکاری کے عہدہ پر تھا، اور سہ صدی منصب رکھتا تھا، ۱۰۴۰ھ میں اس نے شاہنامہ کا انتخاب کیا

اس انتخاب کے دیباچہ کا پہلا شعر یہ ہے:

شکر وسپاس ونعمت ومنت خداے را پروردگار خلق خداوند کبریا

راجہ رام نرائن: لچھمی نرائن کا بیٹا، عظیم آباد پٹنہ میں اس نے بڑا سیاسی عروج حاصل کیا تھا اور مدت تک اس کا خاندان معزز رہا، شیخ حزیںؔ کا شرف تلمذ اس کو حاصل تھا، خود صاحب ادب اور ادبائے زمانہ کا مربی تھا، نواب قاسم کی معرکہ آرائی کا نشانہ بنا، نہایت وسیع النظر اور کتب بینی کا شائق تھا۔

کیول رام: شاہ عالم کے عہد میں تھا اور اودھ کے بیت الانشا میں منشی تھا، ۱۱۹۷ھ میں منشی کیول رام نے پچاس جز میں فن انشا پر ایک کتاب لکھی طلسمات خیال اس کا نام رکھا۔

پنڈت کرپا ندھان: پنڈت جی کا جنم پتر معلوم نہیں، مثنوی دل پسند کے مصنف ہیں، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ۱۲۴۳ھ کا لکھا ہوا اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

منشی خیالی رام: لکھنؤ وطن، خیالی تخلص، نظم ونثر فارسی کے استاد، واجد علی شاہ کے دربار سے تعلق تھا، ان کی تصنیفات کی تعداد ۱۰۰ سے زیادہ ہے، امیر خسرو کی سب سے مشکل کتاب اعجاز خسروی کی شرح لکھی۔

منشی مادھورام: دلی کے رہنے والے تھے اور فارسی زبان کے استاد تھے، انشائے مادھورام ان کا نتیجۂ قلم ہے، جس میں بادشاہوں، شہزادوں اور امرا کے نام خطوط دیں ہیں، یہ پہلے نصاب فارسی میں داخل تھا۔

ذیل کی سطروں میں چند منشآت کے نام نقل کرتے ہیں ان کے مزید حالات سے واقفیت نہ ہوئی۔

کامتا پرشاد: انشائے بے نقط کا مصنف۔

منشی کالی رائے: انشائے تمیز کا مصنف، اس انشاء میں ایک خاص صنعت بدیع (ترک حرف مسلسل) ملحوظ ہے۔

دولت رام: کتاب کا نام انشائے دولت رام۔

منشی جے سنگھ رائے: انشائے راحت جان کا مصنف ہے، اس کتاب میں سخاوت وعدالت وغیرہ مختلف عنوانات پر مضامین ہیں۔

ہرسہائے: انشائے ہرسہائے اس کی کتاب کا نام ہے، اس میں منشی گری کے قوانین نظم ونثر فارسی میں بیان ہوئے ہیں۔

منشی ہرنرائن: دہلی کے باشندہ تھے، خیالات نادران کے فارسی رقعات کا مجموعہ ہے۔

لالہ نوندرائے: دستور الصبیان کے نام سے فارسی مکتوبات کے جامع ہیں۔

پچھمی داس: بن نرائن داس، رقعات نظامیہ اس کا سرمایۂ کمال ہے، چھپ گئی ہے۔

خوشحال رائے: دستور الامتیاز کے نام قوانین انشاء کا مدون ہے، نسخۂ موجودہ کتب خانہ آصفیہ ۱۲۰۳ھ کا نقل کیا ہوا ہے۔

نندرام: باپ کا نام ہیرانند، قانونچہ انشا اس کی تالیف ہے، موضوع کتاب نام سے ظاہر ہے، قلمی نسخہ آصفیہ میں ہے۔

رام سنگھ: گلشن عجائب، انشامیں اس کی کتاب ہے، نسخۂ موجودہ آصفیہ ۱۲۲۴ھ کا چھپا ہوا ہے۔

کشنا جی پنڈت: شاید یہ دکھنی ہوں، ان کے نادر الانشاء قلمی آصفیہ میں ہے۔

رنجھورداس: جون پور کا رہنے والا تھا، دقائق الانشاء کا مؤلف ہے۔

۲۔ ہندو لغت نویس

کسی زبان کے جاننے کے صرف یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ اس زبان کی عبارت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے اور اس میں لکھ پڑھ سکتا ہے، یہ تو نہایت ادنیٰ درجہ ہے، اصلی زبان دانی یہ ہے کہ وہ اہل زبان کی طرح اس زبان پر قابو رکھتا ہو اور اس کے ذخیرۂ الفاظ کے ماخذ واشتقاق کا علم اور غلط وصحیح کی تمیز اور خواص کے طرز ادا، ترکیب الفاظ، ادائے مطلب اور محاورات پر اس کو دسترس ہو،

ہندوستان میں جو ہندو ادبائے فارسی گذرے ہیں غور کرنا چاہئے کہ کیا ان کی واقفیت زبان، ہماری آج کل کی بیرونی زبان کی واقفیت کے معیار سے کچھ بلند تر تھی یا نہیں۔

اکبر کے زمانہ تک فارسی زبان کے چھوٹے بڑے ۴۴ سے زیادہ لغت موجود تھے لیکن یہ تمام تر قدما اور اہل زبان کے لکھے ہوئے تھے، جو اہل ہند کے ضروریات کے مطابق نہ تھے، بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو ایک صاحب زبان لغت نویس مشکل اور قابل حل نہیں سمجھتا، حالانکہ غیر زبان دان کے نزدیک وہ سخت مشکل اور قابل حل ہیں، لغات سے زیادہ محاورات کا معاملہ سخت ہے، اہل زبان ان کے ایک ایک نکتہ کو جانتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ تمام دنیا ان کو اسی طرح سمجھ لے گی حالانکہ دوسری قوموں کو جن کی وہ زبان نہیں یہی مرحلہ دشوار نظر آتا ہے غرض یہی اسباب تھے کہ جن کی بنا پر ہندو ادبائے فارسی کو فارسی زبان کے لغات لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

ٹیک چند بہار: قوم کا کھتری، سراج الدین علی خان آرزو اکبر آبادی کے ارشد تلامذہ میں تھا، فارسی زبان کی گرہ بند پر اُسے کامل عبور تھا، اہل زبان کی مدت تک صحبتیں اٹھائی تھیں، اس نے فارسی زبان کے کئی لغت لکھے، بہار عجم، نوادر المصادر اور جواہر الحروف، زیادہ مشہور بہار عجم ہے، اس کے مقدمہ میں وہ لکھتا ہے کہ بدء طفولیت سے ۵۳ سال کی عمر تک فارسی زبان کی تحقیق و کاوش میں بسر ہوا، ۲۰ برس تک متصل اس نے اس لغت کی تالیف و ترتیب میں بسر کئے اور سات دفعہ خود اپنے ہاتھ سے مسودہ کاٹ چھانٹ کر صاف کیا، یہ عمر کی آخری کمائی تھی اور اسی پر جان دی، بہار کے شاگرد منشی اندرمن نے آٹھویں دفعہ مرتب کیا اور خطبہ اور خاتمہ لکھ کر شاہ عالم کے زمانہ میں ۱۱۸۴ھ میں ختم کیا، بہار عجم اس قدر مقبول ہوئی کہ تمام ارباب علم میں متداول ہوگئی اور لوگ اس کی سندیں پیش کرتے ہیں۔ ہر فارسی داں اس کے نام سے واقف ہے، محاورہ کے لئے اس نے اہل زبان کے شعر سند میں پیش کئے ہیں۔

سیالکوٹی مل وارستہ: نام سے زیادہ یہ اپنے تخلص کے ساتھ مشہور ہے، شیخ حزیں پر سراج آرزو نے جو اعتراضات کیے تھے اس کے جواب میں رجم الشیاطین اُس نے لکھی تھی۔ سمجھو لو کہ اہل زبان اور اساتذۂ فن کے مناظرات اور ردوکد میں جو صاحب نظر حملہ آورانہ اور خصوصاً مدافعانہ حصہ لے وہ کس درجہ اس زبان پر عبور کامل اور وقوف تام رکھتا ہوگا، وارستہ نے اسی فارسی زبان کے عشق میں ایران تک کی خاک چھانی اور کامل ۳۰ برس اس ملک میں بسر کیے، اس سفر کے نتائج علمی مصطلحات الشعراء اور صفات کائنات ہیں، مصطلحات الشعراء گو صرف ۴۰۰ صفحہ کی ضخامت کا لغت ہے لیکن پندرہ برس کی محنتوں کا صلہ ہے، وارستہ دیباچہ میں لکھتا ہے:

"اکثر محاورات غریبۂ فارسی زبانان در اشعار فصاحت بار دیدم وتحقیق آن کہ سعی مستحکم بربستم ہر چند گرد کتب لغات گردیدم، نغمۂ حل معانی بعضے ازان نشیدم، ناچار رجوع بزباندانان ایران دیار آوردم و پانزدہ سال دریں تلاش بسر بُردم انچہ از زبان آں جماعت شنیدم بروے انتفاع جمہور سخن پردازان خواستم درحیز کتابت آوردم"۔

پنڈت گنگا بشن: حال نہیں معلوم، اس نے فرہنگ شیر وشکر کے نام سے عربی وفارسی الفاظ کا لغت لکھا ہے۔

کاشی راج کھتری: لغت پنجابی کے نام سے فارسی زبان میں لغت لکھا ہے، اس کا قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے۔

گردھاری لال: دکن کا باشندہ ۱۲۲۱ھ میں گنج اللغات فارسی لکھی، قلمی نسخہ آصفیہ میں ہے۔

فرہنگ انندراج: اس فرہنگ کا ذکر اس سلسلہ میں مناسب نہ تھا کہ اولاً تو ایک مسلمان کی تصنیف ہے اور ثانیاً اس لئے کہ مسلمانوں کے عہد حکومت کے بعد لکھی گئی ہے لیکن صرف اس لئے

اس کا تذکرہ مقصود ہے کہ اس سے ادائے احسان کا موقع پیدا ہو، فرہنگ انندراج چالیس پچاس برس ہوئے کہ مدراس کے ایک ہندو راجہ انندراج کی فرمائش سے ترتیب پائی، یہ فارسی زبان کا سب سے ضخیم اور مطول لغت ہے جو کئی جلدوں میں چند ہزار لمبی تقطیع کے صفحات میں تمام ہوئی ہے۔ اس میں صرف خالص فارسی الفاظ نہیں ہیں جیسا کہ دیگر لغت نویسوں نے کیا ہے بلکہ ان عربی الفاظ کو بھی لے لیا ہے جو فارسی میں مستعمل ہیں، مصنف کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ نے اس پر ہزاروں روپے صرف کئے ہیں، اس کے لئے دور دور سے کتابیں منگوائیں، کتب خانہ ترتیب دیا، مصنف کا وظیفہ مقرر کیا اور خود چھپوا کر شائع کیا۔

اس موقع پر ایک نکتہ کی بات ہم کہنا چاہتے ہیں، اگرچہ ہندوستانیوں نے انگریزی پڑھ کر مرہٹی، بنگالی اور اردو میں انگریزی ڈکشنریاں آج بھی لکھی ہیں لیکن درحقیقت انہوں نے اس میں صرف مترجمی کی خدمت انجام دی ہے، یعنی کسی مستند انگریزی ڈکشنری کو سامنے رکھ کر اس کے مقابل کے معنی اپنی زبان میں لکھ کر خانہ پری کر دی ہے لیکن جو خدمت کہ ٹیک چند بہار اور وارستہ نے اپنے زمانہ کی سرکاری زبان کی ادا کی اور مثل ایک اہل زبان کے بذات خاص تحقیق و کاوش سے شعرا کے کلام پڑھ کر ایرانیوں کی صحبتیں اٹھا کر خود اہل زبان سے مطارحات اور چھیڑ چھاڑ کر کے انجام دی اس کی نظیر اب تک تو ہمارے "منشی" کے نوجوان "مسٹر" نہ دکھا سکے۔

منشی کامتا پرشاد: نادان تخلص، وطن دکن ہوگا، انہوں نے فارسی قواعد کی کتاب 'ہفت گل' لکھی، آصفیہ میں اس کا نسخہ ہے۔

مینڈو لال: زار تخلص، بہار علوم کے نام سے فارسی قواعد کی کتاب تصنیف کی، قلمی نسخہ آصفیہ میں ہے۔

۳۔ مترجمین

دو مختلف قوموں کے متضاد عناصر کو متحد کرنے کے لئے بہترین کیمیاوی مسالہ دونوں قوموں کے لٹریچر کو متحد کر دینا ہے، ڈاکٹر تیج بہادر سپرو نے صبح امید کے پہلے نمبر میں اس مقصد پر بڑا زور دیا ہے، ہم کہتے ہیں کہ ہاں اس جدید زمانہ میں سرنو کوشش کی ضرورت ہے لیکن پرانے عہد کے بزرگوں نے اپنے دور عمل میں اس خیال کو پیش نظر رکھا اور کامیابی ہوئی، اس وقت میرا سلسلہ مضمون یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں نے کیا کیا، بلکہ یہ ہے کہ اس عہد کے ہندوؤں نے کیا کیا۔

اس خیال کی اصلی کامیابی ملک کے مترجم طبقہ کے ہاتھ میں ہے جو ایک قوم کے خیالات کو دوسری قوم کے سامنے پیش کرتا رہے اور بتاتا رہے کہ ان دونوں میں کچھ بیر نہیں، بلکہ ایک ہی حقیقت کے مختلف مظاہر ہیں، اگرچہ ترجمہ کا سلسلہ مسلمانوں کے آغاز عہد سے قائم تھا لیکن وہ صرف علمی ذوق کا نتیجہ تھا قوموں کی باہمی بیگانگی اور اجنبیت کا دور کرنا اس کا مقصد نہ تھا۔

اکبری عہد میں حکومت کی خواہش کے مطابق مسلمان علما اور ہندو پنڈتوں نے مل کر رامائن، مہابھارت، سنگھاسن بتیسی، لیلاوتی، نل دمن، تاجک، ہری بنس، اتھربن بید وغیرہ کتابوں کا ترجمہ کیا، وہ پنڈت جو ان میں سے بعض کتابوں کے ترجمہ میں شریک غالب رہے، یہ تھے، گنگا دھر، مہیش، مہانند، کشن، جوتشی، مہادن، افسوس ہے کہ ان نام وروں کے حالات نہیں معلوم۔

اب وہ زمانہ بھی آیا جب کہ بادشاہوں کی خوشی کے لئے فارسی دان ہندو پنڈتوں نے اس کام کو از خود انجام دینا شروع کیا۔

گردھر داس: قوم کایستھ، متوطن، دہلی شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں تھا، ۱۰۳۶ھ، میں اس نے

رامائن کا ترجمہ فارسی میں کیا، یہ کتاب برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے۔

بنوالی داس: ولی تخلص، شہزادہ داراشکوہ کا میر منشی (چیف سکریٹری) تھا، ۱۰۷۳ھ میں اس نے بھاکا سے پروڈھ چندرودیانام ایک افسانہ کا فارسی میں ترجمہ کیا۔

پنڈت پچھمی نرائن: انہوں نے شنکراچاری کی پوتھی اپردکھابنوتی کا ترجمہ حدائق المعرفت کے نام سے فارسی میں کیا۔

منشی مکھن لال: جہان ظفر کے نام سے رامائن کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔

امر سنگھ: رامائن امر پرکاش کے نام سے پاربتی، مہادیو، رام چند، راجہ دسرت کے حالات زباند انانِ فارس کو سنائے۔

پنڈت امرناتھ: شیدا تخلص، چار ویدوں کے مطابق دنیا کے جو احوال تھے وہ فارسی میں خیالات شیدا کے نام سے بیان کر گئے، یہ کتابیں کتب خانہ آصفیہ میں ہیں۔

رام پرشاد: اودھ کا باشندہ تھا، نواب ناظم محمد داراب خان کا خزانچی تھا، اس نے ۱۲۲۷ھ میں نواب مذکور کی فرمائش سے امت جرتر کا فارسی نظم میں ترجمہ کیا اور مخزن العرفان اس کا نام رکھا۔

گوپال: خلف سری گوبند، اس نے سری بھاگوت واد ھیاتمارامائن کا ترجمہ فارسی میں کیا ۱۸۷۱ء کا لکھا ہوا نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے۔

انندگھن گوشائیں: متخلص بہ خوش اس نے پوتھی کاشی کھنڈ کو فارسی زبان میں منتقل کیا، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں جو نسخہ ہے وہ ۱۲۰۸ھ کا لکھا ہوا ہے۔

انند کنوار: حالات نہیں معلوم، پوتھی موچہ دھرم گیان ساگر کا قلمی نسخہ جو اس نے فارسی میں ترجمہ کیا تھا، سوسائٹی مذکور کے کتب خانہ میں ہے۔

زورآور سنگھ: اس نے پوتھی بہادارنبھ کو فارسی زبان میں منتقل کیا۔

مرلی دھر: پوتھی سری بھاگوت کا فارسی میں مترجم، قلمی نسخہ سوسائٹی میں ہے۔

راؤ دلپت سنگھ: اہل تاریخ کے سلسلہ میں اس کا حال گذر چکا ہے، مہاراجہ جگت سنگھ والیٔ

اُودے پور کی سرکار میں نوکری کے زمانہ میں اس نے ایک بہت بڑا ادبی کارنامہ انجام دیا، بادۂ شیراز کو سفالِ ہندی میں بھر کر ملک کے سامنے پیش کیا، یعنی دیوان حافظ کا ہندی زبان میں ترجمہ کیا۔

(۷) ہندو علمائے علوم عقلیہ

علوم عقلیہ سے میری مراد طبعیات، الٰہیات، ریاضی، ہئیت، طب وغیرہ جملہ علوم حکمت ہیں، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستان بھی ان ممالک میں سے ایک ہے جن کو علوم عقلیہ کا جنم بھوم کہنا چاہئے، یہ بحث دوسری ہے کہ یہ علوم برسہا یہیں پیدا ہوئے جیسا کہ اہل ہند کا دعویٰ ہے، یہ سکندر کے بعد یونانیوں کے ذریعہ سے یہ علوم یہاں منتقل ہوئے، جیسا کہ اہل یورپ کا بیان ہے، بایں ہمہ یہ ماننا پڑے گا کہ اہل ہند نے ان علوم میں کافی دستگاہ حاصل کر لی تھی اور ریاضیات وہئیت میں ایک حد تک وہ استادی کے رتبہ کو پہنچ گئے تھے۔

ہندوؤں کے دماغ کو ریاضیات سے ہمیشہ ایک خاص مناسبت رہی ہے مسلمانوں کے عہد حکومت میں علوم عقلی کے جو ہندو نامور یہاں پیدا ہوئے، ان میں مہندسین اور علمائے ریاضیات کی تعداد زیادہ ہے۔

بیرونی کے ذریعہ سے جن برہمنوں نے عربوں کی تحقیقات سے فائدہ اٹھایا تھا افسوس کہ ان کے حالات ہم کو نہیں معلوم اور نیز بعد کی صدیوں میں جن ہندو بزرگوں نے ادھر توجہ کی ان کے نام سے بھی ہم واقف نہیں، تاہم اتنا معلوم ہے کہ سنسکرت میں عربوں کی تحقیقات عقلی کی کافی آمیزش موجود ہے، چنانچہ تمدن ہند کا فرنچ مصنف شہادت دیتا ہے کہ گیارہویں صدی عیسوی کے بعد سے کہنا چاہئے کہ ہندی علوم سے مراد عربی علوم ہیں، پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندی علوم جن کی ابتدا پانچویں صدی عیسوی میں آریہ بھٹ کے ریاضیات سے ہوئی اور پھر ساتویں صدی میں برہم گپت نے ان پر اضافہ

کیا، اس زمانہ سے لے کر آج تک ان ہی مسائل سے بحث کرتے ہیں جو ہند میں (یونانی اور مسلمان) ان دو ذریعوں سے آئے۔

عہد اکبری کے ہندو علمائے معقولات: ابوالفضل تنہا مؤرخ ہے، جس نے اپنے بادشاہ کے عہد کے جزئی سے جزئی واقعہ کو قلم انداز نہیں کیا، آئین میں دانش آموزان دولت کے عنوان سے ہر فن کے ۱۴۲ علما کے نام لکھے ہیں، اس کا غذ دربار میں بلاتفریق ہندو مسلمان دونوں قوموں کے اکابر علم اور اساطین فلسفہ دوش بدوش بٹھائے گئے ہیں، شناسائے عقلی کلام کے عنوان میں ابوالفضل نے اپنے زمانہ کے حسب ذیل اشخاص کے نام لکھے ہیں، نارائن، مادھو بھٹ، سری بھٹ، بشن ناتھ، رام کشن، بلبھدر مصر، باسد یو مصر، باہن بھٹ، بدیا نواس، گوری ناتھ، کوپی ناتھ، کشن پنڈت، بھٹا چارج، بھاگیرت، کاشی ناتھ، بھٹا چارج۔

جن ہندو پنڈتوں نے مرزا الغ بیگ کی زیچ جدید جو مسلمان علمائے ہئیت کی تحقیقات آخری کا مجموعہ ہے، مسلمان علماء کی زیر نگرانی فارسی سے ہندی میں ترجمہ کیا تھا، ان کے نام یہ ہیں، کشن جوتشی، گنگا دھر مہیش، مہانند (۲۵)

جے سنگھ کے رصد خانے: مسلمان سلاطین نے دنیا کے ہر گوشہ میں جہاں ان کے تمدن نے فروغ پایا، تحقیقات فلکیہ کی تکمیل کے لئے رصد خانے قائم کئے ۱۹۰۹ء کے الندوہ میں میں نے متعدد نمبروں میں ان رصد خانوں کے حالات وتحقیقات کی تفصیل لکھی ہے، اس وقت سلسلۂ سخن کے طور پر یہ کہنا ہے ہندوستان میں متعدد مسلمان سلاطین نے رصد خانے قائم کرنا چاہے، فیروز شاہ بہمنی اور شاہجہاں نے کام کو شروع کرایا لیکن مختلف وجوہ سے ناتمام چھوڑنا پڑا، یہ مہم درحقیقت محمد شاہ کے عہد حکومت کے لئے اُٹھ رہی تھی۔

راجہ جے سنگھ سوائی کچھواہا، اجمیر کا راجہ تھا، اورنگ زیب عالمگیر اور اس کے جانشینوں کے ایام سلطنت میں ایک فوجی افسر کی حیثیت سے نمایاں عزت حاصل کی، محمد شاہ کے عہد میں وہ آگرہ اور مالوہ کا گورنر مقرر ہوا، اس نے اپنی ریاست کا نیا مرکز جے پور کے نام سے آباد کیا اور اب اسی نام

سے یہ ریاست معروف ہے، جے سنگھ ایک نہایت علم دوست اور عالم راجہ تھا، عربی علوم وفنون میں وہ اچھی دستگاہ رکھتا تھا اور علم ہئیت سے اس کو ایک خاص ذوق تھا۔

راجہ جے سنگھ نے الغ بیگ کی زیچ جدید، ملا چاند اکبری کی تسہیلات اور ملا فرید شاہجہانی کی زیچ شاہجہانی کے اصول پر زیچ محمد شاہی ترتیب دی اور بادشاہ کے حضور میں پیش کی، یہ وہ زمانہ تھا جب اہل یورپ کے فضل وکمال کی طرف اہل ہند کی نگاہیں اٹھ رہی تھیں، بادشاہ کے حکم سے مسلمان، برہمن اور فرنگی علمائے ہئیت جمع کئے گئے اور دلی میں ایک جدید رصد خانہ کی تعمیر کا کام ۱۱۳۷ھ میں شروع ہوا، مرزا امیر اللہ مہندس اس کے مہتمم تھے، اس رصد خانہ میں بعض آلات ایسے تھے جو سمرقند کے الغ بیگی رصد خانہ میں استعمال پا چکے تھے اور بعض بالکل نئے تھے اور خود راجہ کے ایجاد کردہ تھے۔

راجہ نے اس غرض سے تاکہ رصد خانہ کی تمام تحقیقات پوری اُتریں اور ان کی تصدیق ہوتی جائے رصد خانہ دہلی کے نمونہ پر جے پور، متھرا، بنارس اور اُجین میں بھی رصد خانے بنوائے، دلی اور بنارس کے رصد خانوں کی ٹوٹی پھوٹی یادگاریں تو اب تک باقی ہیں اور میں نے دیکھی ہیں، باقی شہروں کا حال نہیں معلوم۔

بہر حال ان رصد خانوں میں ہندو، مسلمان اور فرنگی علمائے ہئیت نے سات برس تک کام کیا اور اس کے بعد کچھ لوگ پادری مینویل کی ماتحتی میں یورپ بھیجے گئے، وہاں سے یہ علمی جماعت جو معلومات لے کر آئی ان کا اپنے اصول کے مطابق یہاں مقابلہ کیا گیا، یہ مشرق کا پہلا رصد خانہ ہے جس نے مغربی تحقیقات کی موافقت کی، اس رصد خانہ کی تحقیقات فلکی سے زیچ محمد شاہی تیار کی گئی جو تین مقالات پر مشتمل ہے، اول در معرفت سنین، دوم در معرفت طالع ہر وقت، سوم در معرفت رفتار سیارات وثوابت۔ (۲۶)

راجہ نے اس راہ میں ایک اور اہم خدمت انجام دی عربی زبان کی مستند علم ہئیت کی

کتابوں کا ہندی میں ترجمہ کرایا اور اس پر ہزاروں روپے صرف کئے۔ (۴۷)

بہادر خان والی ٹکاری: احتشام الدولہ مبارز الملک راجہ خان بہادر نصرت جنگ، ہمارے اس عہد کے ہندو دوست سمجھتے ہوں گے کہ یہ کسی مسلمان امیر کا نام ہوگا لیکن ان کو سننا چاہئے کہ مہاراجہ متر جیت سنگھ راجہ ٹکاری (صوبہ بہار) کے فرزندار جمند کا نام ہے، یہ راجہ غدر سے ۳۰ برس پہلے تھا، راجہ مذکور تمام علوم وفنون عربی وفارسی میں ماہر تھا، اس کا دربار مسلمان اور ہندو فضلائے عہد سے بھرا ہوا تھا، اس زمانہ میں مولانا غلام حسین جونپوری ایک نامور ریاضی داں تھے، وہ بھی اس راجہ کے دامن دولت سے وابستہ تھے، مولانا راجہ کے فضل وکمال کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"چنانچہ فنے از فنون متداولہ وعلمے از علوم متوالہ مطروح نشدہ کہ درذات شریف آں یگانہ جمع نیامدہ باشد"۔

راجہ نے ایک دن اپنی بزم علم میں تذکرہ کیا کہ روز بروز علم کا فقدان ہو رہا ہے اور اس کے متعدد وجوہ ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ علوم وفنون کی زیادہ تر کتابیں عربی زبان میں ہیں جن سے فارسی خواں فائدہ نہیں اٹھا سکتے، اس لئے مناسب ہے کہ فارسی میں ایک ایسی جامع کتاب لکھی جائے جو ہر قسم کے اصول وفروع پر مشتمل ہو، تین سو برس ہوئے کہ علامہ عبدالعلی برجندی کے زمانہ سے اس وقت تک کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی، اس تقریر کے بعد راجہ نے مولانا غلام حسین کو حکم دیا کہ اس مجوزہ تصنیف کا کام شروع کریں۔

مولانائے موصوف نے جامع بہادر خانی کے نام سے ایک ایسی مکمل اور جامع کتاب ریاضیات پر فارسی میں لکھی جس سے زیادہ مکمل اور جامع کتاب شاید عربی میں بھی نہ ہوگی، اس کو علوم ریاضیہ کی انسائیکلو پیڈیا کہنا زیادہ موزوں ہوگا، علم ہندسہ، علم الابصار، علم المناظر، علم حساب، جبر مقابلہ، جومیٹری، علم ہیئت، علم آلات رصد وقواعد رصد وغیرہ اصولی ابواب کے تحت میں بیسیوں فروعی مباحث اور فصول ہیں، پوری کتاب لمبی اور چوڑی تقطیع کے ۷۱۴ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور

ہر صفحہ میں ۲۵ لمبی اور باریک سطریں ہیں ۱۲۴۸ھ میں شروع ہوئی اور ۱۲۴۹ھ میں تمام ہوئی، اکبر ثانی کا یہ زمانہ تھا، کتاب میں جہاں کہیں ستاروں کے طلوع وغروب کا وقت دیا گیا ہے، قلعہ ٹکاری کے مطالع ومغارب کے حساب سے دیا ہے، مصنف جابجا قدیم تحقیقات کو یورپ کے جدید معلومات سے موازنہ بھی کرتا گیا ہے۔

راجہ رتن سنگھ زخمی: قوم کایستھ سکسینہ، ۱۱۹۷ھ میں لکھنؤ میں پیدا ہوا، اس کا خاندان تین پشتوں سے دربار اودھ کے معزز عہدوں پر ممتاز چلا آتا تھا، لکھنؤ کی درسگاہوں کی آغوش میں اس کے فضل وکمال نے نشوونما پایا، عربی، فارسی، ترکی، سنسکرت اور کسی قدر انگریزی زبان سے واقفیت تھی، علم ہیئت میں اس کو استادی کا رتبہ حاصل تھا، فارسی شعر وسخن سے بھی ذوق رکھتا تھا، کچھ دنوں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کی، اس کے بعد اودھ میں اپنے خاندانی عہدہ پر ممتاز ہوا محمد علی شاہ کے زمانہ میں دیوان شاہی مقرر ہوا اور فخر الدولہ دبیر الملک ہوشیار جنگ کے خطاب سے مخاطب ہوا۔

۱۲۵۳ھ میں محمد علی شاہ کے حکم سے ہیئت میں حدائق النجوم نام ایک جامع کتاب فارسی زبان میں لکھی جو ۶۵ جز میں جاکر ختم ہوئی ہے، جدید مغربی تحقیقات کو پرانے عربی معلومات سے اس نے پیوند دیا ہے، یہ کتاب اپنے باب میں نہایت مستند اور معرکۃ الآرا سمجھی جاتی ہے اور اب علمائے اسلام میں ہیئت کی اعلیٰ کتابوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

روپا نرائن: ۱۱۲۹ھ میں وفات پائی، علم ہندسہ میں شش جہات نام ایک کتاب لکھی جو اراب فن میں نہایت دقیع خیال کی جاتی ہے، قلمی نسخہ موجود ہے۔

اندرمن: منشی ٹیک چند بہار کا شاگرد تھا، اصل وطن حصار تھا لیکن توطن شاہجہاں آباد میں اختیار کر لیا تھا، بہار عجم کو اسی نے آخر میں مرتب کیا تھا، ریاضیات میں اس کو ید طولیٰ حاصل تھا، عربی وفارسی کا عالم تھا، ۱۱۸۰ھ میں دستور الحساب نام کتاب علم الحساب (میتھ میٹکس) میں تالیف کی کتب خانہ بانکی پور میں اس کا قلمی نسخہ ہے، کتاب ۱۷ اجز میں تمام ہوئی ہے۔

میدنی مل: قوم کا یستھ، اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت میں تھا، علوم عقلیہ کا واقف کار تھا، ۱۰۷۴ھ میں بدائع الفنون کے نام سے ریاضیات میں ایک عمدہ کتاب لکھی، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی اور کتب خانہ آصفیہ میں اس کے قلمی نسخے موجود ہیں۔

رام پرشاد: عظیم آباد پٹنہ وطن تھا، علم ہندسہ میں مفتاح الناظرین کی تالیف ہے، ۱۲۵۰ھ میں اس کی یہ کتاب کلکتہ میں چھپی تھی۔

دیوان کانجھی: یہ بھی عظیم آباد پٹنہ کے باشندہ تھے، ریاضیات و ہندسہ میں خزانۃ العلم ان کی کتاب ہے، ۱۲۴۰ھ میں یہ کتاب کلکتہ کے چھاپہ خانہ میں طبع ہوئی تھی،

رائے منولال فلسفی: علوم حکمت اور فلسفہ میں ممتاز معروف تھے، شاعر بھی تھے، فلسفی تھے اور فلسفی بننے کے مدعی تھے، اس لئے فلسفی تخلص کرتے تھے، ان کے بیٹے کندن لال نے اپنی ایک تصنیف میں اپنے خاندان کا حال لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پورا خاندان علم وکمال کا مطلع تھا، شاہجہاں کے زمانہ سے اس خاندان میں علم و دولت ساتھ ساتھ تھا، سندیلہ کے برہمن تھے، رائے منولال کی نسبت لکھا ہے:

> ''پدر فقیر رائے منولال پہلے فلسفی تخلص کہ در علوم حکمیہ یادگار حکمائے سلف بودند، وصاحب تصانیف کثیرہ''۔

رائے منولال پہلے نواب فیض اللہ خان کی سرکار میں تھے، اس کے بعد نواب آصف الدولہ کے دربار میں گئے اور یہاں سے نکل کر ایسٹ انڈیا کمپنی میں آئے اور غالباً یہیں کسی قدر انگریزی حاصل کی، ۱۲۴۸ھ میں وفات پائی اور گیارہ کتابیں مختلف علوم وفنون میں اپنی یادگار چھوڑیں۔ گلستان ارم، بوستان حیرت، شارستان نور، دیوان اشعار، تنقیح الاخبار، جغرافیہ، یہ کتابیں ادب و تاریخ میں ہیں، خاص فلسفہ کی تصنیفات حسب ذیل ہیں، سدید الاستخراج، کتاب احکام عجائب در علم حساب، ہیئت، حکمت انگریزی، مفردات طب۔

کندن لال اشکی: یہ اسی نامور باپ کا فرزند تھا، باپ اور چچا کے زیر عاطفت عربی اور

فارسی علوم کی تحصیل کی، ۲۴ سال کی عمر تک بریلی، رامپور، دہلی اور بنارس کی درسگاہوں میں عمر گذاری، سنسکرت میں سری کب اندر جھا کے شاگرد تھے، کچھ سال ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازمت میں بسر کئے اور آخر نواب منتظم الدولہ ناظم الملک مہدی علی خان کی وساطت سے محمد علی شاہ اودھ کے دربار میں پہنچے، چارصدی منصب پایا، دفتر انشا میں کسی عہدہ پر ممتاز ہوئے، منتظم الدولہ کی وفات کے بعد خدمت سلطانی سے مستعفی ہوکر بنارس میں گوشہ نشینی اختیار کی۔

کندن لال عربی اور نیز اسلامی علوم میں استادی کا درجہ رکھتے تھے، حدیث وفقہ پر بھی ان کی نظر تھی، فلسفہ اور ریاضیات سے ان کو خاص ذوق تھا، ہئیت میں انہوں نے زیج اشکی ترتیب دی، فلسفہ میں حکمت ہندیہ، اکسیر سعادت اور قسطاس تین کتابیں فارسی زبان میں لکھیں، اخیر کتاب درحقیقت تمام علوم وفنون کی انسائیکلو پیڈیا ہے، کندن لال نے اس کو چار حصوں پر منقسم کیا ہے، پہلے حصہ میں ہندوؤں کا فلسفہ ہے، دوسرے میں یونانیوں کا تیسرے میں عربوں کے علوم اور چوتھے میں یورپ کا جدید سائنس، کہیں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کسی علم وفن سے بیگانہ ہے، کتاب ۱۲۲۵ھ میں مطبع محمدیہ لکھنؤ میں چھپی۔

انتظاماتِ مالی

اس فن پر ہندو مصنفین کی تین کتابیں ملی ہیں، جن کا ذکر بہ ترتیب آتا ہے، اس فن پر ان کی توجہ اس لئے مبذول ہوئی کہ زیادہ تر یہ عہدے انہیں کے زیر اقتدار رہتے تھے۔

چھتر مل: ولد رائے پران چند، اس نے اس فن میں ایک نادر کتاب یادگار چھوڑی ہے جس کا نام دیوان پسند ہے، دیوان زراعت، محاصل زراعت کے اعلیٰ عہدہ دار کو کہتے تھے، دیوان پسند یعنی وہ کتاب جو ہر دیوان کے لئے اس کے ادائے فرائض میں معین ہے، مصنف نے باب کے لئے اس میں دستور کا لفظ پسند کیا، دیوان پسند چار دستوروں پر منقسم ہے۔ (۱) در بیان درستی زمین ہائے کاشتکاری وتعین جمع سرکار وبعضے حساب در پیداواری اجناس، (۲) سباق

وشمار در بعضے انتظام مہمات، (۳) مزروعہ در بعضی دست، (۴) مالی وملکی آویزات معاملہ۔

دیباچہ میں مصنف اپنی معاملہ فہمی اور انتظامی مہارت پر بے انتہا فخر کرتا ہے، زمانہ وجود نہیں معلوم، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں اس کی یہ تصنیف ۱۲۲۵ھ کی لکھی ہوئی ہے۔

جگپت رائے: حالات وزمانہ وجود نہیں معلوم، سیاق یعنی کاغذات وحسابات مالی کے قواعد ترتیب میں سیاق فارسی اس کی تصنیف ہے۔

مدن لعل: مجموعۂ سیاق (فارسی) کا مصنف، یہ دونوں رسالے قلمی کتب خانہ آصفیہ میں ہیں۔

نندرام: سیاق نامہ (فارسی) کا مصنف، کتب خانہ آصفیہ میں ۱۸۷۹ء کا مطبوعہ نسخہ موجود ہے۔

نجوم

بیربل: یہ نہیں معلوم کہ یہ کون بیربل ہے، رسالۂ نجوم فارسی میں اس کی تصنیف ہے۔

خوشوقت رائے: ولد بھوپت رائے، خاص النجوم کا مصنف۔

سداسکھ کول: باپ کا نام کیول رام کول، کاشف الدقائق، نجوم میں اس کی تصنیف ہے۔

جواہر سنگھ: جواہر الافلاک وجواہر ادراک کا مصنف۔

یہ تمام قلمی رسالے کتب خانہ آصفیہ میں ہیں۔

طب

ہندوؤں کے ہاں مسلمانوں کی آمد سے پہلے طب میں دو کتابیں مشہور تھیں، چرکا اور ششرت کی کتابیں، مسلمانوں کا علم طب عرب، یونان، ایران اور ہندوستان کے تجربات کا خلاصہ تھا اور خود انہوں نے بہت کچھ اس پر اضافہ کیا تھا، اسی لئے یہ نیا علم طب ہندوستان کے قدیم طب پر امتیاز خاص رکھتا تھا، ہندوستان کے علم طب میں مسلمانوں کی آمد کے بعد جو ترقیاں رونما ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ حاکم قوم اپنے علوم وفنون کو محکوم قوم کے علوم وفنون سے بہت بالا دست سمجھتی ہے اور اس سے استغنا برتتی ہے، چنانچہ اسی علم طب کے متعلق دیکھئے کہ گذشتہ کونسل میں جب بعض ممبروں نے دیسی طب کی سرکاری حمایت اور اس کو مستند تسلیم کرنے کا رزولیوشن پیش کیا تو نا اتفاقی کے ساتھ رد کر دیا گیا لیکن مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں ایسا نہیں کیا، ہندی علم طب کی بیسیوں کتابیں انہوں نے اپنی زبان میں منتقل کیں اور اپنا علم طب ہندوستان میں پھیلایا، خاص اہل ہند کے مزاج اور طبیعت کا خیال کر کے خود انہیں کے علم طب کو فارسی میں منتقل کیا اور شاہی حیثیت سے اس کو مستند قرار دیا، سلطان سکندر لودی سے خواص خان ایک درباری امیر نے عرض کی کہ جہاں پناہ! یونانی طب ہندوستان کی آب وہوا کے موافق نہیں ہے، حکم ہوا کہ سنسکرت سے ہندی طب کو فارسی میں منتقل کیا جائے، چنانچہ میاں ہوہ بن خواص خان نے اس کام کو انجام دیا اور کتاب کا نام معدن الشفاء سکندر شاہی رکھا، قاسم فرشتہ نے اکبری عہد سے پہلے اختیارات قاسمی کے نام سے ہندی علم طب کو زندہ کیا، ہندوستان میں اس وقت فارسی میں جو علم طب ہے اور خصوصاً خاندانی اطباء کے سفینوں میں اور مجربات ناموں میں سیکڑوں نسخے اور دوائیں ہندوستان زا ہیں، اسی طریقہ سے بیدوں نے مسلمانوں کے سیکڑوں نسخے، دوائیں اور اصول علاج اپنے ہاں لے لئے اور اس طرح مل ملا کر ایک ایسا طرز علاج رائج ہوا جو ہندوستان کے حالات کے مطابق تھا۔

۲۔ پہلے بیدوں میں وہ دوائیں متداول تھیں جو ہندوستان میں پیدا ہوتی تھیں، طب اسلامی نے تمام دنیا کے ملکوں میں جو دوائیں اور جڑی بوٹیاں زیر تجربہ آ چکی تھیں ان کو ہندوستان میں رواج دیا، ان کے فوائد ومنافع لوگوں نے سیکھے، مفردات کے ذخیرہ کو بے حد بڑھا دیا۔

۳۔ دواؤں کی ترکیب میں عرق، معجون، قرص، سفوف وغیرہ مختلف طریقوں کو پھیلایا۔

۴۔ چیچک وغیرہ متعدد بیماریاں جن کو یہاں وہم پرستی سے دیوتاؤں، دیبیوں اور بھوت پریت کا اثر سمجھا جاتا تھا اور اس لئے ان کا طبی علاج نہیں کیا جاتا تھا، ان کو لائق علاج بتایا، چیچک کی بیماری پر سب سے پہلی کتاب عربوں ہی نے لکھی۔

(۸) طب اور دیگر علوم متفرقہ

یہ سلسلہ اس قدر پھیلا کہ ارباب بزم گو زبان سے تو نہیں کہتے لیکن تیور سے پہچانتا ہوں کہ وہ گھبرا اُٹھے ہوں گے لیکن بات یہ ہے کہ

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

اب اس کے بعد تکلیف نہ دی جائے گی۔

پچھلی داستان میں ہم طب تک پہنچے تھے، اب ہماری کہانی کا سلسلہ آگے چلتا ہے اور عہد اسلامی کے بعض ہندو طبیبوں کا حال سناتے ہیں۔

دربار شاہی میں مسلمان اطباء کے ساتھ ہندو طبیبوں کا رہنا بھی ضروری تھا، چنانچہ ہندو علماء کے مختلف طبقوں میں سب سے پہلا طبقہ جو شاہان اسلام کی جانب پہلے رجوع ہوا وہ بھی ہندو طبیب (۲۸) تھے، ہندو اطباء میں سے زمانہ اسلام میں سب سے پہلے ہم جس کو جانتے ہیں وہ سری بھٹ ہے۔

سری بھٹ: یہ حکیم سلطان زین العابدین (۸۷۷ھ) والی کشمیر کے دربار میں تھا، بادشاہ نے اس کی خود تربیت کی تھی، فرشتہ میں ہے:

"سلطان بجہت طبابت سری بھٹ را کہ طبیبے حاذق بود تربیت کرد"

اطبائے عہد اکبری: اکبر کے عہد حکومت کے نامور ہندو اطباء کے چند نام ابوالفضل نے آئین میں (۲۹) لکھے ہیں، مہادیو، بھیم ناتھ، نرائن، سیو جی، افسوس کہ ان کے حالات ہم

کو نہیں معلوم۔

سکھراج: اس کا باپ اسد خان وزیر عالمگیر کی سرکار میں تھا، سکھراج علاوہ دیگر علوم عقلیہ کے فن طب میں کامل دستگاہ رکھتا تھا، سید علی حسین خان کی سرکار میں پانصدی منصب پر ممتاز تھا۔

منشی لچھمی نرائن گنجاوی: ان کا ذکر زمرۂ شعراء میں بھی گذر چکا ہے، یہ بھی مسلمان طبیبوں کی درسگاہ سے فن طب کے ماہر بن کر نکلے تھے، ان کا خاندان عالمگیری و محمد شاہی درباروں کے متوسلین میں تھا۔

منشی رام پرشاد عظیم آبادی: خلف گنگا پرشاد، گو یہ طبیب تھے لیکن طبابت کا پیشہ نہیں کرتے تھے، کمپنی کے زمانہ میں پٹنہ کی صدر امینی قبول کر لی تھی پنڈت داتا رام کی فرمائش سے ۱۲۴۷ھ میں معیار الامراض نام ایک کتاب فن طب میں تالیف کی جس میں سر کے بال سے پاؤں کے ناخنوں تک کی کل بیماریوں کے قوانین کلیہ لکھے ہیں، یہ کتاب اسی زمانہ میں چھپ بھی گئی تھی۔

رائے منولال فلسفی: المتوفی ۱۲۴۸ھ دیگر علوم عقلیہ کے ساتھ طب کا بھی ماہر تھا، مفردات طب میں اس کی ایک تصنیف ہے۔

لالہ سوہن لال: سندیلوی، رائے منولال کا بھائی تھا، فارسی کا ادیب اور طب میں یگانۂ عہدہ تھا اس کا بھتیجا کندن لال، قسطاس کے خاتمہ میں لکھتا ہے:

"عمویم لالہ سوہن لال کہ طبیب حاذق و ادیب کامل بودند"

بچولال تمکین: حیدرآبادی، اُس نے اپنے طبی مجربات دو جلدوں میں لکھے ہیں، یہ دونوں جلدیں قلمی کتب خانہ آصفیہ میں ہیں۔

پنڈت لالہ چند: اس کی ایک تصنیف کحل الابصار کا ایک قلمی نسخہ آصفیہ میں ہے، نام سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید مخصوص آنکھ کی بیماریوں کے علاج میں ہے۔

دیاناتھ: اس نے ویدک سے پاکا ہوئی کالی کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا، قلمی نسخہ آصفیہ میں ہے۔

منشی مہتاب نرائن: ضروری الطب کا مصنف ہے، اس کا موضوع ادویہ کے خواص ہیں۔

یہ ان طبیب مصنفوں کی مختصر فہرست ہے جنھوں نے فارسی زبان کو اپنے اظہار خیال کا آلہ بنایا، بیسیوں مصنفین اس کے علاوہ ہیں، جنہوں نے اسلامی طب کو ہندی، مرہٹی، بنگالی اور تلنگی میں منتقل کیا، تلنگی کی بعض طبی کتابوں کے نام کتب خانہ آصفیہ کی فہرست میں موجود ہیں، یہ اسی وسعت کا اثر تھا کہ شہروں کو چھوڑ کر دیہات اور قصبوں تک کے ہندو بنئے طبی دواؤں کے بڑے بڑے عطار بن گئے اور عرب و ایران و ترکستان کی دوائیں ان کی دوکانوں پر بکنے لگیں اور زمانہ کی شدید مخالفتوں کے باوجود ان کے آثار اب تک باقی ہیں۔

اخلاق و تصوف

اس مضمون پر مفصل بحث تو ایک مستقل عنوان ''اسلام کا اثر ہندو مذاہب'' میں ہوگی، یہاں علمی حیثیت سے صرف چند ہندو مصنفین کا تذکرہ مقصود ہے، جنھوں نے ان مسائل پر اظہار خیال کیا ہے۔

بابا نانک: جو سکھ فرقہ کے بانی ہیں، وہ فارسی میں بہت اچھی دستگاہ رکھتے تھے، ان کے گرنتھ میں فارسی کے سیکڑوں اشعار اور الفاظ ہیں اور مولوی رومی، اور حافظ وغیرہ صوفی شعراء کے تو وہ دلدادہ تھے، فارسی میں ان کی دو کتابیں تصوف میں ہیں، الٰہی نامہ دل طلب ایک اور مناجات بحر طویل میں ان کی ہے، یہ تینوں رسالے آصفیہ میں ہیں۔

راس تی داس: عالمگیر ثانی کے عہد میں تھے، محیط معرفت تصوف میں ان کی کتاب ہے، ۱۸۵۶ء میں چھپ بھی گئی ہے۔

لال جی داس: بابا لال گرو (داراشکوہ کا مرشد) کا چیلا تھا، بابا لال کے ملفوظات ۱۱۸۵ھ میں اس نے فارسی میں جمع کیے ہیں، گورنمنٹ کلکیشن لائبریری میں ۱۴ جلوس عالم شاہی کا لکھا ہوا

نسخہ موجود ہے۔

بھیرومل: رسالہ علم جوگ فارسی کا مصنف۔

بشن سنگھ: شیو پران، فارسی میں اس کی تصوف پر تصنیف ہے، یہ دونوں نسخہ قلمی آصفیہ میں ہیں۔

رائے مکھن لال: اخلاق نامہ فارسی منظوم کا مصنف، اس کا قلمی نسخہ موجودہ آصفیہ ۱۱۹۳ھ کا لکھا ہوا ہے۔

سوامی بیاس: شارق المعرفت کے نام سے جوگ بشسٹ کا فارسی ترجمہ کیا، حال و زمانہ نہیں معلوم۔

ان کے علاوہ اکبری دور کے ان خدا پرستوں کے نام بھی ملا لو جن کو ابوالفضل نے خود خدیونشاں تین، خداوند باطن اور خوانائے نقلی مقال کی فہرست میں جگہ دی ہے یعنی مادھو سرستی، مدھسودن، بابا بلاس، نارائن آسرم، بابا کپور، بھان چند، ہرجی سور، دامودر پرت، رام تیرتھ، نرسنگ، پرم اندر، آدت، رام بھدر، بجی سین سور اور جہانگیری دور میں جدروپ گوشائیں اور دوسرے ہندو صوفیا تھے، جن کا ذکر تزک میں اُس نے متعدد مقامات پر کیا ہے۔

موسیقی

فن موسیقی کے جاننے والے اس کثرت سے اس عہد میں پیدا ہوئے ہیں کہ استقصا بھی مشکل ہے، شاہان ہند کی فیاضیوں نے اس فن کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہندوستان میں یہ فن نہایت قدیم زمانہ سے ہے اور اس میں اس کی استادی مسلم ہے لیکن مسلمانوں کی آمد کے بعد ایران و توران کی موسیقی نے مل کر ایک نیا عالم پیدا کر دیا، پٹھانوں کے عہد حکومت میں بھی اس فن کے جاننے والے ہندو موجود تھے اور سلاطین دہلی کا دست کرم ان کو دارالحکومت کی طرف ہمیشہ کھینچتا رہتا تھا جہاں خسرو کے سے ہمہ دان سے ان کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا، جن میں سب سے مشہور

نایک گوپال تھا، اس کے ۱۲۰۰ فن موسیقی میں شاگرد تھے، جو اس کے جلو میں ساتھ ساتھ چلتے تھے، گوپال اسی شان سے سلطان علاء الدین خلجی کے دربار میں آیا تھا۔ (۳۰)

کشمیر ایک مدت سے فن موسیقی کا گہوارہ ہے لیکن تمہیں علم ہے کہ یہاں کس دایۂ کرم نے اس کی پرورش کی، سلطان زین العابدین شاہ کشمیر (۸۷۷ھ) نے، وہ خود اس فن کا بہت بڑا ماہر تھا اور موسیقی دانوں کا مربی تھا، ایران اور ہندوستان کے موسیقی داں اس کے دربار میں کھنچے چلے آتے تھے، فرشتہ کہتا ہے:

"آوازۂ جود او چوں انتشار یافت، سازندہا و گویندہا کہ در علم موسیقی یگانۂ زمان بودند از اطراف ونواحی روئے بکشمیر نہادند، چنانکہ کشمیر از کثرت ہندویان ایں فن رشک ملک فرنگ شد (۳۴۴ جلد دوم)

بودی بٹ: (شاید صحیح دیوی پت ہو) وہ ایک طرف فارسی کا ادیب تھا، تمام شاہنامہ اس کو برزبان یاد تھا، دوسری طرف موسیقی میں کامل دستگاہ رکھتا تھا، بادشاہ کے نام کی مناسبت سے زین نام اُس نے اس فن میں ایک کتاب لکھ کر دربار میں پیش کی، بادشاہ نے اس کو نہایت پسند کیا اور اس کے حال پر نوازش فرمائی۔

ہندوستان کی موجودہ موسیقی کی نسبت میں کہا ہے کہ وہ تنہا ہندوستان زا نہیں ہے بلکہ مسلمان بادشاہوں کی خوش مذاقی کے ایران وتوران و ہندوستان کو ملا کر ایک کر دیا تھا، علاوہ قیاس کے ابوالفضل کی اس عبارت سے بھی یہ اشارہ سمجھنا چاہئے۔

"نادرہ کاران ہندی وایرانی وتورانی وکشمیری از مرد وزن عشرت افزائے بزم ہمایوں (آئین ۱۸۳)

دربار اکبری میں مسلمان اساتذۂ فن کے ساتھ حسب ذیل ہندو مشاہیر کے نام بھی ہم دوش بدوش پاتے ہیں، بابا رام، سورداس، اورنگ سین، میاں تان سین اور میاں چند کو جو چاہے

سمجھے (۳۱) میاں تان سین کی نسبت ابوالفضل نے لکھا ہے کہ ایک ہزار برس میں کوئی اس کے برابر کا پیدا نہیں ہوا۔

مسلمانوں نے تو ہندوؤں کی موسیقی پر راگ درپن اور چندر کا اور ... ایک سنگار وغیرہ کئی کتابیں لکھی ہیں، مگر بھوپت رائے کے علاوہ جس نے ۱۹ جلوس محمد شاہی میں رسالہ علم موسیقی لکھا، اس فن کے دوسرے ہندو مصنف کا نام ہم کو نہیں معلوم۔

ذیل میں چند نام اخیر زمانہ کے استادوں کے آثار شعرائے ہنود سے اضافہ کرتے ہیں۔

پنڈت اجودھیا پرشاد: کشمیری لکھنوی، حیرت تخلص، استاد جرأت کے شاگرد تھے، کئی دیوان اور مثنویاں ان سے یادگار ہیں، فن موسیقی میں اپنے عہد کے مسلم الثبوت استاد تھے، ۳۵ برس کی عمر میں ۱۲۴۴ھ میں وفات پائی۔

مٹھن لال: دہلوی، ولد بخشی سلطان سنگھ کایستھ، فارسی و سنسکرت وطبابت وشاعری کے علاوہ موسیقی کے ماہر تھے، ایک خاص ساز کے موجد ہیں۔

روشن لال: شوق تخلص، موسیقی کے استاد تھے۔

تلسی داس: دہلوی، ضمیم تخلص، سنسکرت کے عالم تھے اور فارسی سے واقف تھے، فقیرانہ بسر اوقات کرتے تھے، طبابت کے علاوہ فن موسیقی کے استاد یگانہ تھے، دلی کے شہزادہ مرزا قادر بخش طاہر اپنے تذکرہ گلستانِ سخن میں لکھتے ہیں:

> ''زبان فارسی سے بقدر ضرورت آگاہ اور کتب ہنود علی الخصوص فن موسیقی کی پوتھیوں سے صاحب اشتباہ، ستار بجانے میں ہوش سر سے اور جان تن سے نکال لیتا تھا، میں نے اس کے نغمۂ دلنواز کو اپنے کانوں سے سنا ہے اور اس کیفیت سے حظ دلخواہ اٹھایا گاہ گاہ ریختہ کی طرف التفات کرتا تھا''۔

موسیقی ہندوستان کی چیز تھی لیکن مسلمانوں نے اپنا سرمایہ ملا کر اس کو اپنا کر لیا، ہندو موسیقی داں بھی ان کا تلمذ خوشی سے قبول کرتے تھے، اس اخیر عہد میں استاذنا المرحوم

مولانا محمد فاروق صاحب چریا کوٹی کے بڑے بھائی مولانا عنایت رسول صاحب چریا کوٹی جو اپنے وقت کے ہمہ داں فاضل تھے بلکہ بعض حیثیات سے کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کی خاک نے ان کی نظیر نہیں پیدا کی، وہ علاوہ دیگر علوم کے فن موسیقی کے بھی ماہر یگانہ تھے اور علمی حیثیت کے علاوہ عملاً بھی اس کو جانتے تھے، ان کے کئی ہندو شاگرد اس فن میں اب تک موجود ہیں اور ان کے نام کے عظمت کو اب تک برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

مصوری

ہندوستان میں سنگ تراشی تو یقیناً قدیم زمانہ سے موجود تھی اور اس کی بہترین زندہ مثالیں، بودھوں اور جینیوں کی عمارتوں اور معبدوں میں مل سکتی ہیں، ایلورا اور اجنتا وغیرہ غار اب تک دنیا کے لئے تماشائے حیرت ہیں لیکن شبیہ کشی، طراحی اور رنگ آمیزی و مصوری کی نسبت نہیں کہا جاسکتا کہ ہندوستان قدیم نے اس فن کو کہاں تک سیکھا تھا اور نہ کسی ہندی مصوری کا نام معلوم ہے جس نے اس فن میں کمال حاصل کیا ہو۔

مسلمانوں کی آمد کے بعد دیگر فنون لطیفہ کی طرح اس فن میں بھی ہندوؤں نے کمال پیدا کرنا شروع کیا اور چند روز میں یہ حال ہوگیا کہ بقول ابوالفضل ہندوستان کے صفحۂ خیال میں بھی جس نقش کمال کا تصور نہ ہوا ہوگا وہ واقعاً ہوگیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہنشاہ اکبر جیسے ہندپرست کے عجائب خانہ میں قدیم ہندوستان کی صنعت مصوری کی کوئی یادگار نہ تھی، ابوالفضل کی عبارت یہ ہے:

> ”ہندوراچہ گویم کہ تصویر ایں معنی (مصوری میں کمال) بر صفحۂ خیال نکردہ بود، ہمانا از اقالیم جہاں کمتر نشان دہند“۔ (صفحہ ۷۷)

یعنی جس ہندوستان کو اس فن کا کبھی خیال بھی نہ آیا تھا، اب دنیا میں بہت کم اس فن میں کوئی اس کا حریف نکلے گا، دربار اکبری کے مشہور ہندو مصورین کے نام یہ ہیں، کیسو، لعل، مکند، مادھو، جگن، مہیش، کھیمکرن، تارا، سانولہ، ہربنس اور رام، بساون ایک ہندو مصور کی نسبت ابوالفضل

لکھتا ہے:

''بساون در طراحی و چہرہ کشائی و رنگ آمیزی و مانند نگاری و دیگر کار ہائے ایں فن یگانہ زمانہ شد''۔ (صفحہ ۷۷)

دسونتھ ایک کہار بچہ تھا اس کو اس فن سے فطری مناسبت تھی، وہ محل شاہی کی دیواروں پر ادھر اُدھر بچپن سے لکیریں کھنچا کرتا تھا، ایک دن اکبر کی نظر اس پر پڑ گئی جو ہر قابل پا کر عبدالصمد شیرین قلم کے سپرد کیا، تھوڑے ہی زمانہ کی تعلیم میں وہ اس فن کا بے نظیر استاد بن گیا۔

جہانگیر تمام شاہان تیموری میں اس فن کا سب سے بڑا مربی اور قدردان تھا، بشن داس اس کے دربار کا مشہور مصور تھا، خود بادشاہ تزک میں اس کی تعریف میں لکھتا ہے:

''بشن داس مصورے کہ در شبیہ کشی از یلیایان روزگار امت''

۱۴ جلوس میں جہانگیر نے خان عالم کو عراق بھیجا تھا، بشن داس کو بھی اس کے ساتھ بھیجا کہ شاہ عباس صفوی اور اس کے دربار کی تصویریں کھینچ کر لائے، یہ تصویریں اس قدر عمدہ کھینچی گئی تھیں کہ جن لوگوں نے ان اشخاص کو دیکھا تھا تو وہ کہتے تھے کہ اصل سے سرمو فرق نہیں، خود بادشاہ بھی بشن داس کے اس کارنامہ کو تزک میں فخریہ لکھتا ہے اور مصور کے قلم کو داد دیتا ہے۔

عبدالرحیم خانخاناں کا کتب خانہ ایک عجائب خانہ تھا، اس عجائب خانہ کی سب سے حیرت انگیز چیز ایک ہندو مصور مادھو تھا، (شاید یہ وہی ہو جس کا نام ایک دفعہ اُوپر بھی آیا ہے) جس کی نسبت مآثر رحیمی کا مصنف لکھتا ہے کہ تصویر، طراحی، مصوری اور شبیہ سازی میں نادرۂ روزگار تھا اور اس کتب خانہ کی اکثر باتصویر کتابیں اسی کے ہاتھ کی بنی ہوئی تھیں۔

محمد شاہ کے زمانہ میں گوردھن دلی میں ایک مصور تھا، انند رام مصنف مرآۃ الاصطلاح (۳۲) اس کی نسبت لکھتا ہے کہ ''نرگس کی ایک پتی پر پورے شہر کی تصویر وہ کھینچتا تھا''۔

افسوس کہ ان استادوں کی تاریخ کی زندگی نصیب نہیں ہوسکتی تھی، اس لئے بجز ان لوگوں کے جو سلاطین اور امراء کے دامن سے لپٹے رہتے تھے اوروں کے نام تک بھی تاریکی کے پردہ میں گم ہیں ورنہ سینکڑوں اساتذۂ وقت ہوں گے جن کو گو قسمت نارسا ملی ہوگی لیکن دست و دماغ کی نارسائی کے وہ شاکی نہ ہوں گے۔

اخیر زمانہ کے چند ہندو طبیب

پورن سنگھ: قوم کایستھ، دہلی وطن، سعادت یار خان رنگین کے شاگرد تھے اور پورن تخلص کرتے تھے، علم سنسکرت اور طبابت ہندی میں مہارت کامل رکھتے تھے، مگر بدمزاجی اور وارستگی کے سبب بیماروں کی طرف کم التفات کرتے تھے، فارسی میں بھی دخل تھا۔

لالہ کھیم نرائن کھتری: مہاراجہ ٹکیت رائے لکھنوی کے رفقا میں تھے اخیر عمر میں نوابی کے بعد کلکتہ جا کر رہ گئے تھے، فارسی کے شاعر تھے طب میں بہت اچھا دخل رکھتے تھے، مولوی حفیظ الدین شہید کے شاگردوں میں تھے۔

مٹھن لال: قوم کایستھ، سکسینہ، ولد بخشی سلطان سنگھ دہلوی، فارسی اور سنسکرت کے عالم تھے ایک لغت کے مصنف ہیں، طبابت میں شہرت رکھتے تھے۔

تلسی داس: سادھو تھے، فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے، دلی وطن تھا، قلعہ کے شہزادوں سے ارتباط رکھتے تھے، کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے، صنیم تخلص تھا، طب ہندی میں امام تھے اور مجربات بیدک سے اکثر امراض مزمنہ کا علاج کرتے تھے، کشتوں کے استعمال میں اور جذام اور وجع مفاصل وغیرہ کے علاج میں مہارت تامہ رکھتے تھے، موسیقی میں کمال پیدا کیا تھا، فارسی زبان سے واقف تھے۔

سکھانند: قوم کایستھ، دلی وطن، شاہ نصیر دہلوی کے شاگرد، شاعری کے علاوہ فن طبابت میں "وحید العصر" تھے۔

(معارف، مئی۔ دسمبر ۱۹۱۸ء)

حواشی

(۱) فہرست تصنیفات بیرونی در آثار باقیہ۔

(۲) جامع القصص العربیہ فی الاخبار الہندیہ صفحہ ۱۱۵ مطبوعہ فرانس (بُن)۔

(۳) صفحہ ۲۴۴، نولکشور۔ (۴) مآثر عالمگیری صفحہ ۸۱۔

(۵) تذکرہ خوشنویسان۔ (۶) تزک جہانگیری۔

(۷) تزک جہاں گیری صفحہ ۲۸۵۔ (۸) سبحۃ المرجان، آزاد۔

(۹) معارف مسلمانوں کے عہد میں چندسال کے لئے یہ بنگال کا را جہ بن بیٹھا تھا اس کا بیٹا تخت نشین ہوکر مسلمان ہوگیا تھا۔

(۱۰) صفحہ ۱۰۷، ۱۱۱، پروموشن آف لرننگ ان انڈیا۔ (Promotion of Learning in India)

(۱۱) یہ تمام نام مختلف فارسی تذکروں سے التقاط کئے گئے ہیں۔

(۱۲) خطبہ صدارت ندوہ مدراس ۱۹۱۷ء از مولانا شیروانی۔

(۱۳) تاریخ الادب جلد ا صفحہ ۵ شائع کردہ جامعہ مصریہ (ایجپشین یونیورسٹی) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۴ صفحہ ۱۵۹، طبع ۱۱۔

(۱۴) پہلا پرپ، ادھیائے ۱۴۷۔ (۱۵) بیرونی کی کتاب الہند اور ابوالفضل کی آئین اکبری کا دفتر سوم۔

(۱۶) مثلاً تمدن ہند، انسائیکلوپیڈیا لفظ انڈیا۔

(۱۷) دکن کالج پونہ میں سنسکرت کی مطبوعہ اور قلمی کتابوں کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے، مذہبی کتابوں اور مکرر نسخوں کو ملا کر ۵۸۴ کتابوں کی تعداد ہے۔

(۱۸) ستیارتھ پرکاش، سمولاس ۱۱۔ (۱۹) تمدن ہند صفحہ ۳۳۹۔

(۲۰) گذشتہ تاریخ سے بحث نہیں، بلکہ زمانہ رواں کا سوال ہے۔

(۲۱) تاریخ فرشتہ، نولکشور، جلد ۲، صفحہ ۳۴۴۔ (۲۲) آئین اکبری، نولکشور، جلد ۲، صفحہ ۱۸۱۔

(۲۳) دکن کالج لائبریری کیٹلاگ، صفحہ ۱۹۹۔

(۲۴) ''ہندوستان میں علوم کی ترقی مسلمانوں کے زمانہ میں'' مسٹر لا نے یہ قول نقل کیا ہے۔

(۲۵) آئین اکبری، آئین تصویر خانہ۔ (۲۶) مقدمۂ زیج محمد شاہی۔

(۲۷) سبحۃ المرجان، آزاد بلگرامی۔ (۲۸) فرشتہ ذکر بہمن شاہیہ۔ (۲۹) صفحہ ۱۷۶، نولکشور۔

(۳۰) شعر العجم میں راگ درپن کے حوالہ سے امیر خسرو وگوپال کا حال پڑھو، جلد دوم، صفحہ ۱۳۵۔

(۳۱) لفظ میاں نومسلم ہونے کی علامت کو ظاہر کرتا ہے۔

(۳۲) قلمی نسخہ پٹنہ کے مشرقی کتب خانہ (یعنی خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری) میں ہے، نہایت نادر کتاب ہے۔

تمت

Hinduon ki Taleemi Taraqqi mein Musalman Hukmranono ki koshishen

Allama Syed Sulaiman Nadvi

Darul Musannefin Shibli Academy
Shibli Road Post Box No: 19
Azamgarh (U.P.) INDIA